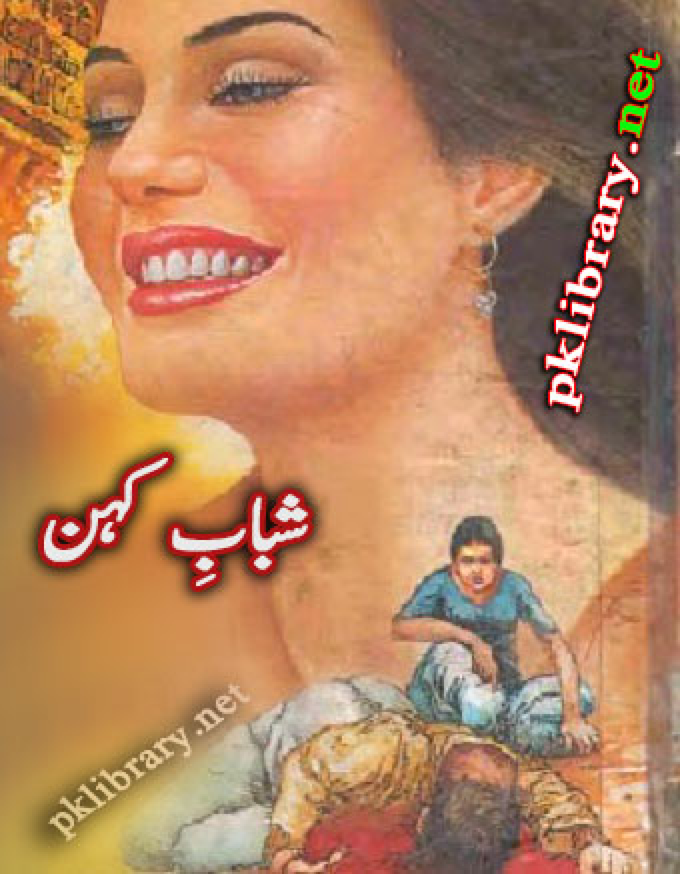

pklibrary.net
pklibrary.net

www.pklibrary.net



# شبابِ کہن

شباب انسانی حوصلے کا نام ہے
شباب فرہاد کا نہیں، تیشے کا نام ہے
اکثر بڑھاپے میں جوانی آتی ہے
لیکن وہ بڑھاپا کمر جھکنے کے باوجود
گرنے والی کو جھک کر نہیں اٹھا سکتا۔

(ایک بوڑھے کی داستان، جو شادی کے لیے جوان۔ لیکن
چوڑی والی ہاتھ کو تھامنے کا حوصلہ نہ تھا۔)

www.pklibrary.net


# شباب کہن

یہ کہنا غلط ہے کہ جوانی لوٹ کر نہیں آتی۔ نہیں جی، آتی ہے اور بڑے دھوم دھڑکے سے آتی ہے۔ ارمان صاحب کی مثال سامنے تھی۔ انہوں نے پچاس برس کی عمر میں ایسا رنگ روپ نکالا تھا کہ اپنے پرائے سب ہی انہیں دیکھ کر حیرانی سے پوچھتے تھے۔

"کیا کوے کا گوشت کھا لیا ہے؟ بالوں سے بھی سفیدی نہیں جھلکتی ہے۔ کیا آپ خضاب لگاتے ہیں؟"

ارمان صاحب نے خضاب کو کبھی ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ یہ خدا کی دین ہوتی ہے اور اس معبود کے دینے کا انداز بھی نرالا ہوتا ہے۔ جوانی بھی چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔

پہلے ارمان صاحب دھان پان سے تھے۔ ایسے نحیف و نزار کہ چلتے وقت ہوا پیچھے سے دھکے دیتی تھی اور آگے سے وہ واکنگ اسٹک کی پتوار سنبھالتے تھے۔ اپنی داڑھی کی طرح ہوا کی زد سے ادھر سے ادھر ہوتے رہتے تھے۔ محلے کی عورتیں احتراماً انہیں بڑے میاں کہہ کر مخاطب کرتی تھیں، اور وہ برا نہیں مانتے تھے کیونکہ بڑھاپے میں محترم شخصیتوں کو ایسے ہی مخاطب کیا جاتا ہے۔

ان دنوں تقدیر بڑی بے رحم تھی۔ تین وقت کی روٹیاں بڑی مشکلوں سے دیتی تھی۔ جس کاروبار میں ہاتھ لگاتے تھے، نقصان اٹھاتے تھے۔ انہوں نے دس برس تک ملازمت

www.pklibrary.net



کی۔ ملازمت چھوڑ کر پانچ برس تک انشورنس ایجنٹ بنے رہے۔ جب بچے جوان ہونے لگے اور ان کی شادی بیاہ کی فکر لاحق ہوئی تو فٹ پاتھ پر دکان لگانے لگے۔ تقریباً بیس برس بعد عقل آئی کہ وہ ایمانداری سے روکھی سوکھی کھا کر گزارہ تو کر سکتے ہیں لیکن اس دنیا کے میلے سے ایک داماد نہیں خرید سکتے اور گھر میں ایک بہو نہیں لا سکتے۔

وہ پانچ وقت کے نمازی تھے۔ بے ایمانی کا خیال آتے ہی خدا سے ڈرتے تھے۔ صدر کے فٹ پاتھ پر دکان لگا کر انہوں نے دیکھا کہ آس پاس کے دکانداروں کے پاس قیمتی گھڑیاں ہوتی ہیں' وہ لوگ عمدہ لباس پہنتے ہیں' ان کے اپنے ذاتی مکانات ہوتے ہیں اور وہ اپنے بچوں کی شادیاں بڑی دھوم دھام سے کرتے ہیں۔

پہلے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ فٹ پاتھ کی معمولی دکان سے اتنی دولت کیسے حاصل ہو جاتی ہے؟ پھر رفتہ رفتہ ارمان صاحب کے پاس بھی فلائنگ بروکر یعنی چلتے پھرتے دلال آنے لگے۔ وہ اسمگل کی ہوئی گھڑیاں' ریڈیو' کیسٹ ریکارڈر' کپڑوں کے تھان اور نقلی زیورات لاتے تھے اور انہیں معقول کمیشن پر فروخت کرنے کے لیے فٹ پاتھ پر چھوڑ جایا کرتے تھے۔

ارمان صاحب نے پہلے کبھی غیر قانونی کام نہیں کیا تھا لیکن جہاں آمدنی کی بات آتی ہے وہاں گھر کی ناقص العقل عورتیں عقل سکھاتی ہیں کیونکہ محدود آمدنی میں وہ گھر کے اخراجات پورے نہیں کر سکتیں۔ لامحدود آمدنی کے سپنے دیکھتی رہتی ہیں لہٰذا ان کی عذرا بیگم نے سمجھایا۔ "ہم بوڑھے ہو چلے ہیں حلال کی روزی کھاتے کھاتے اس دنیا سے گزر جائیں گے مگر ہمارے بچوں کا کیا بنے گا۔ بہو لانے کی حسرت ہی رہ جائے گی۔ بڑی لڑکی شادی کے لیے تیار بیٹھی ہے۔ دوسری بھی دو چار سال میں جوان ہو جائے گی۔ بڑا لڑکا چار سو روپے ماہوار کماتا ہے۔ ہمارے بعد وہ مکان کا کرایہ بھی ادا نہیں کر سکے گا۔ بچے دربدر ہو جائیں گے۔"

عذرا بیگم نے آنے والے دنوں کی ایسی خوفناک تصویر کھینچی کہ وہ اسمگلنگ کا مال بیچنے پر مجبور ہو گئے۔ پہلے ہی دن کی آمدنی سے اندازہ ہوا کہ وہ اب تک جھک مار رہے تھے۔ کاروبار تو انہوں نے اب سیکھا ہے۔ کسی دن دو سو روپے کی بچت ہونے لگی اور کسی دن دو ہزار روپے بھی ملنے لگے۔ ان کی تو آنکھیں کھل گئیں' دماغ روشن ہو گیا۔ اس

www.pklibrary.net


روشنی میں صرف اتنا سا نقصان ہوا کہ ایمان تھوڑا سا ڈھیلا پڑ گیا۔

ہماری دنیا میں ایسے لوگ زیادہ ہیں جو مفاد کے لئے ایمان کا نقصان برداشت کر لیتے ہیں۔ ارمان صاحب کی بیگم اپنی بیٹیوں اور آنے والی بہو کے لیے زیورات بنوانے لگیں۔ چھ ماہ بعد انہوں نے نیو کراچی میں زمین خرید لی۔ اگلے چھ ماہ بعد مکان کی تعمیر شروع ہو گئی۔ کاروبار کے چمکنے کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ ارمان صاحب کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی۔ وہ عبادت گزار تھے۔ ان کے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان تسبیح کے دانے پھسلتے رہتے تھے۔ لہٰذا پولیس والوں کو کبھی شبہ نہ ہوا کہ وہ اسمگلنگ کا مال فروخت کرتے ہیں۔

بڑی بڑی بیگمات دکان پر آکر مول بھاؤ کرنا نہیں چاہتیں۔ جتنے دام بتائے جاتے ہیں' وہ ادا کر کے چلی جاتی ہیں۔ ان بیگمات نے جب فرشتہ صورت ارمان صاحب کو دیکھا تو ان کی دکان کے پاس اپنی کاریں پارک کرنے لگیں۔ ارمان صاحب نے کاروبار کا سلیقہ سیکھ لیا تھا۔ وہ خود ہی نوٹ بک لے کر ان کی کاروں کے پاس چلے جاتے پھر رازدارانہ انداز میں کہتے۔ "بیگم صاحبہ! آج کل پولیس کے چھاپے پڑ رہے ہیں۔ تمام مال ہم نے گودام میں بند کر دیا ہے۔ آپ اپنا پتہ نوٹ کرا دیں' میں آپ کا سامان کوٹھی پر پہنچا دوں گا۔"

اس طرح انہیں ضرورت مند بیگمات کے پتے حاصل ہونے لگے۔ انہوں نے ایک اسکوٹر خرید لیا اور اس کے ذریعے مال کوٹھیوں پر پہنچانے لگے۔ کوٹھیوں کی سجاوٹ اور وہاں کے مکینوں کا پہناوا دیکھ کر انہیں احساس ہوا کہ وہ رہن سہن کے معاملے میں ان سے سو سال پیچھے ہیں۔ ایک بیگم صاحبہ جانے کیسے ان پر مہربان ہو گئی تھیں۔ ہمیشہ اپنے پاس بٹھا کر مسکرا مسکرا کر باتیں کرتیں اور مال پسند کرتی تھیں۔

پہلے تو ارمان صاحب کو یقین نہیں آیا کہ اتنی اونچی سوسائٹی کی بیگم ان کے آگے گھاس ڈال سکتی ہے۔ انہوں نے گھر پہنچ کر آئینہ دیکھا۔ تب انکشاف ہوا کہ وہ بہت بدل گئے ہیں۔ اب پہلے جیسے دبلے پتلے سے مولوی نہیں رہے۔ جسم پر گوشت آ گیا ہے اور چربی کا اضافہ ہو رہا ہے۔ چہرے پر رونق آ گئی ہے۔ اگر وہ کسی اچھے ٹیلر ماسٹر سے کپڑے سلوا کر پہننا شروع کر دیں تو بیگم صاحبہ جیسے لوگوں کی صف میں آ جائیں گے۔

وہ اپنی صحت اور جسمانی انقلاب کو پہلے بھی سمجھ سکتے تھے کیونکہ روز ہی آئینہ دیکھتے

www.pklibrary.net


تھے لیکن حقیقت کو دیکھنا اور بات ہے اور اس کا گیان حاصل کرنا دوسری بات ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب کوئی حسین عورت اپنی نظروں کی بھیک دیتی ہے تو مرد اس کی نظروں کے آئینے میں خود کو دیکھتا ہے۔

اس روز وہ قد آدم آئینے میں خود کو دیکھ رہے تھے۔ ایسے ہی وقت ان کی بیگم پیچھے سے آگئیں۔ عذرا بیگم کے سر کے بال کہیں کہیں سے سفید ہو چلے تھے۔ ان کے چہرے سے بڑھاپا صاف جھلکتا تھا جب کہ ارمان صاحب کے چہرے پر تازگی اور سرخی تھی' اس عمر میں بھی بال سیاہ تھے۔ ایک ہی آئینے میں خود کو اور بیگم کو دیکھ کر یوں لگا جیسے وہ خود پچیس برس کے ہیں اور بیگم پچاس برس کی ہو گئی ہیں۔

عذرا بیگم نے قریب آکر کہا۔ "توبہ ہے' گھنٹے بھر سے یہاں کھڑے ہیں۔ کیا یہ آئینہ دیکھنے کی عمر ہے؟"

انہوں نے بے دھڑک ایک سوال داغ دیا۔ "کیا میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔"

مرد اپنی عمر کی انتہا کو پہنچ کر اگر یہ سوال کرے تو بوڑھی بیوی کے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔ عذرا بیگم گھبرا کر ان کا منہ تکنے لگیں۔ وہ تو اچھے خاصے جوان نظر آرہے تھے۔ انہیں کسی پہلو سے بوڑھا نہیں کہا جا سکتا تھا۔ پھر بھی وہ بولیں۔ "بچے جوان ہو جائیں تو ماں باپ بوڑھے بزرگ کہلاتے ہیں۔"

"بڑھاپا اور چیز ہے۔ بزرگی اور بات ہے۔ میں اپنے بچوں کے لیے بزرگ ہوں لیکن بوڑھا تو نہیں ہوں۔"

وہ پھر چند لمحوں کے لیے لاجواب ہو گئیں پھر بولیں۔ "جوان بچوں کے ہوتے ہوئے اپنی جوانی کی باتیں زیب نہیں دیتیں"۔

یہ کہہ کر وہ چلی گئیں۔ آئینہ ایک بوڑھی پرچھائیں سے خالی ہو گیا۔ ارمان صاحب نے اطمینان کی سانس لے کر اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا۔ "اپنے آپ کو تھوڑا سا بدلنا ہو گا۔ اگر داڑھی ذرا سی چھوٹی ہو جائے تو کیا حرج ہے؟"

ایسا سوچتے وقت ان کے اندر چھپے ہوئے ایمان نے ان کو ملامت کی۔ لوگ ایک وقت میں مذہبی جوش و جذبے کے تحت داڑھی رکھ لیتے ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ اپنی مردانہ وجاہت اور جوانی کی نمائش کے لیے داڑھی کو بوجھ سمجھنے لگتے ہیں۔ ارمان

www.pklibrary.net



صاحب نے اپنے آپ کو بہت سمجھایا۔ "میں داڑھی کو بوجھ نہیں سمجھ رہا ہوں۔ سر کے بالوں کو جس طرح تراشا جاتا ہے بس اسی طرح داڑھی کو تھوڑا سا تراش لیا جائے گا۔ جسم کی ہر چیز کو سنوار کر رکھنا چاہیے۔"

انسان اپنے طریقوں پر چلنے کے لیے ادھر ادھر سے دلائل ڈھونڈ لاتا ہے۔ ایک ہفتے بعد ہی ان کا حلیہ بدل گیا۔ عذرا بیگم نے پوچھا۔ "یہ آپ نے داڑھی مختصر کیوں کر دی؟"

"بھئی اسکوٹر چلاتے وقت ادھر ادھر لہراتی ہے، کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ کیا داڑھی کو مختصر کرنا کوئی جرم ہے؟"

واقعی کوئی جرم نہیں ہے۔ اس لیے بیگم نے پوچھا۔ "آپ پہلے کبھی پتلون نہیں پہنتے تھے اب یہ تبدیلی کیسی؟"

"مجھے بڑی بڑی کوٹھیوں میں جانا پڑتا ہے۔ وہاں پاجامہ پہن کر جانا کچھ اچھا نہیں لگتا۔ جیسا دیس ہوتا ہے ویسا بھیس بدلنا پڑتا ہے۔"

جوانی کی زبان پر ہر بوڑھے سوال کا جواب حاضر رہتا ہے۔ وہ اپنے طور پر معقول جواب دے کر چلے گئے لیکن عذرا بیگم کا دل ڈوب رہا تھا۔ وہ جانماز بچھا کر بیٹھ گئیں۔ دعا مانگتے وقت ان کی آنکھوں سے بے اختیار ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ رونے کی بات ہی تھی۔ اللہ میاں کا انصاف سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ انھیں بڑھاپے کی خندق میں ڈال کر شوہر کو جوانی کی پرواز کیوں دے دی تھی؟ قدرت کے تماشے سمجھ میں نہیں آتے۔

ارمان صاحب اسکوٹر کے آگے پیچھے مال لاد کر کوٹھی میں پہنچے تو ان پر مہربان ہونے والی بیگم نے پہلی بار ان کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "آج تو آپ بڑے ہی اسمارٹ نظر آرہے ہیں۔"

وہ خوش ہوگئے۔ بیگم کے ہاتھوں میں ان کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ وہ بیگم بھی ان کی عذرا بیگم کی ہم عمر تھیں۔ مگر کوٹھیوں کے حسن میں مکھن کی آمیزش اور بے فکری کی چکنائی ہوتی ہے اس لیے ارمان صاحب کے ہاتھ پھسلنے کے خوشگوار خوف سے کانپ رہے تھے۔

انہوں نے فارن کپڑوں کے تھان اور کاسمیٹکس کے سامان کھول دیے۔ مختلف خوشبوؤں کی خوب صورت شیشیاں سامنے رکھ دیں۔ بیگم ارمان صاحب کی تعریفیں کر رہی تھیں اور اپنی پسند کی چیزیں الگ رکھتی جارہی تھیں۔ اس روز تین ہزار روپے کا بل

www.pklibrary.net


بنا جسے بیگم نے ہمیشہ کی طرح ادھار کے کھاتے میں لکھوا دیا۔

ارمان صاحب کو توقع تھی کہ آج بیگم صاحبہ نے محبت سے ہاتھ تھاما ہے تو اسی محبت سے پچھلا تمام بل بھی ادا کردیں گی لیکن توقع پوری نہ ہوئی۔ بیگم نے ان کے کاروبار کو کاروبار عشق میں بدل دیا۔ اس نے کہا۔ "میں دو دن سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے۔ آپ نہیں آتے ہیں تو یہ کوٹھی کاٹنے کو دوڑتی ہے۔"

ارمان صاحب نہال ہو گئے۔ انہوں نے پوچھا۔ "کیا آپ یہاں تنہا رہتی ہیں؟"

"ہاں میرے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے۔ ایک بیٹا ہے جو لندن میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ یہاں اپنا کوئی نہیں ہے۔ جب سے آپ آنے لگے ہیں' مجھے احساس ہونے لگا ہے کہ میں اب تنہا نہیں رہ سکتی۔"

ارمان صاحب کے کانوں میں شہنائیاں گونجنے لگیں۔ اب تک انہوں نے دوسری شادی کے بارے میں سوچا تک نہیں تھا۔ اب بیگم کی دکھ بھری تنہائی نے سمجھایا کہ وہ دو بیویوں کے اکلوتے ہیرو بن سکتے ہیں۔ انہوں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔ "میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

پھر انہیں خیال آیا کہ خدمت والی بات تو دکاندار کرتے ہیں۔ انہیں بیگم کی تنہائی کے سلسلے میں کوئی رومانی فقرہ کہنا چاہیے۔ لیکن انہوں نے پہلے کبھی رومانس کیا تھا نہ رومانی ناول پڑھے تھے اور نہ ہی عشقیہ فلمیں دیکھی تھیں اس لیے کوشش کے باوجود کوئی پیار بھرا جملہ ان کی زبان سے ادا نہ ہو سکا۔

بیگم نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "خدمت کے لیے تو ملازم موجود ہیں۔ اب میں آپ سے کیا کہوں؟ آپ بڑے بھولے ہیں۔"

ارمان صاحب نے بڑی ہمت کر کے بیگم کا ہاتھ تھام لیا۔ بیگم آرام سے بیٹھی رہیں البتہ وہ کانپنے لگے۔ آواز حلق میں پھنسنے لگی۔ "میں آپ...... آپ..... آپ سے شادی کروں گا۔"

بیگم نے نظریں ملاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا شادی کرنے سے میری تنہائی کا احساس ختم ہو جائے گا۔"

"ہاں میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گا۔"

www.pklibrary.net



"ہمیشہ ساتھ رہنے سے بے زاری بڑھ جاتی ہے۔ میاں بیوی جلد ایک دوسرے سے اکتا جاتے ہیں۔ پھر شادی کرنے سے میرا بیٹا ناراض ہو جائے گا۔"

ارمان صاحب کو خیال آیا کہ ان کے بچے بھی اس شادی سے ناراض ہو جائیں گے۔ انہوں نے تائید کی۔ "ہاں بچے تو ناراض ہو جائیں گے لیکن میں بھی آپ کی طرح ایک ساتھی کی کمی محسوس کر رہا ہوں۔"

"تو بس ہم ساتھی بن کر رہیں گے۔ ایک دوسرے کا انتظار کریں گے۔ ملتے رہیں گے اور بچھڑتے رہیں گے۔ اس طرح محبت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔"

ارمان صاحب نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "ہم صرف ملتے بچھڑتے رہیں گے۔ یعنی کہ...... میرا مطلب ہے کہ اور کچھ...... کک کچھ نہیں ہو گا؟"

بیگم شرمانے لگیں۔ ارمان صاحب نے ذرا قریب ہو کر شانہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ کچھ نہ بولیں شرماتی رہیں۔ ارمان صاحب نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا۔ "آ...... آپ نا محرم ہیں۔ شادی کے بغیر یہ سب گناہ ہو گا۔"

بیگم نے اپنی ہنسی کو دباتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ مولوی ہیں؟"

"ہر مسلمان کو اس حد تک مولوی ہونا چاہیے۔ اگر چہ شادی کرنے کی میرے بیوی بچے بھی مخالفت کریں گے لیکن میں آپ کے اتنے قریب آ کر شادی کیے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ میں گناہ سے ڈرتا ہوں۔"

"تو آپ پھر میرے پاس کیا کر رہے ہیں۔"

وہ گڑبڑا گئے۔ زندگی میں پہلی بار کسی نا محرم نے قریب آنے کی اجازت دی تھی۔ جذبے بول رہے تھے کہ محرم سے زیادہ نا محرم میں کشش ہوتی ہے۔ وہ بیگم کو ناراض نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "میں تو دین ایمان کی باتیں سمجھا رہا ہوں۔ ہمیں اللہ سے ڈرنا چاہیے۔"

"ہاں تو ڈریئے نا۔"

بیگم کی یہ بات ایک چیلنج تھی کہ اے لوگو! اگر خدا سے ڈرتے ہو تو عورت کے قریب آ کر پیچھے ہٹنے کی مثالیں پیش کرو۔ لیکن ایسے وقت بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ عین نگاہوں کے قریب بیگم کا چہرہ تھا۔ صاف و شفاف جلد چمک رہی تھی۔ پھر شرمیلی ادائیں

www.pklibrary.net


تھیں۔ ارمان صاحب کو اپنا سمجھ کر دل پیش کر دینے کے خطرناک ارادے بھی تھے۔ ایسے میں آدمی تو رہتا ہے عقل نہیں رہتی۔

ارمان صاحب کی زبان لڑکھڑائی۔ "میرا خیال ہے ہاتھ پکڑنے اور قریب آنے یعنی کہ صرف قریب آنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔"

بیگم خاموش رہیں۔ وہ بولے۔ "یہ...... اسے ہی تو محبت کہتے ہیں۔ سچ...... پاک محبت......"

وہ ایک دم سے پاک محبت کے لیے قریب ہوگئے۔ بیگم نے پوچھا۔ "کیا آپ جانتے ہیں کہ دولہا اپنی دلہن کو ہاتھ لگانے یا چہرہ دیکھنے سے پہلے اسے انگوٹھی کیوں پہناتا ہے؟"

"ہاں۔ یہ ایک رسم ہے۔"

"صرف رسم نہ کہیں۔ یہ رسم محبت ہوتی ہے۔ اس وقت دولہا کی جیب میں سب سے قیمتی چیز انگوٹھی ہوتی ہے۔ وہ اسے پہنا کر یہ سمجھاتا ہے کہ آج سے میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ ہمارے درمیان صرف محبت ہوگی۔ سودے بازی کبھی نہ ہوگی۔"

ارمان صاحب نے بیگم کے دوسرے شانے پر بھی ہاتھ رکھ دیا۔ "ٹھیک ہے میرا سب کچھ آپ کا ہے۔ اب کبھی سودے بازی نہ ہوگی۔"

بیگم فوراً ہی منہ پھیر کر بولیں۔ "نہیں، نہیں میں جب تک آپ کا تمام بل ادا نہیں کروں گی اس وقت تک سودے بازی تو قائم رہے گی نا؟"

"کیسا بل؟ کہاں کا بل؟ پچھلا حساب بیباق سمجھو۔"

"کیسے سمجھوں؟ کھاتے میں حساب موجود ہے۔ آپ جھوٹ موٹ محبت جتا رہے ہیں۔"

ارمان صاحب نے سچی محبت ثابت کرنے کے لیے فوراً ہی نوٹ بک نکالی۔ بیگم چھ ماہ کے عرصے میں اٹھارہ ہزار کا مال ادھار لے چکی تھیں۔ نوٹ بک کے ایک صفحے پر سارا حساب لکھا ہوا تھا۔ انہوں نے وہ صفحہ پھاڑ کر اس کے پرزے پرزے کر دیے۔

بیگم "ہائے ارمان" کہہ کر پرزے پرزے ہونے کے لیے ان کے پاس پہنچ گئیں۔

ارمان صاحب قدرے بوکھلا سے گئے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسے وقت بیگم کو کس طرح خوش آمدید کہنا چاہیے کیونکہ ان کا دماغ نیکی اور بدی کی حدیں قائم کرنے میں الجھ

www.pklibrary.net



گیا تھا۔

کبھی کبھی وقت ایسے گزرتا ہے کہ پتہ ہی نہیں چلتا۔ ارمان صاحب کے دماغ پر دھند سی چھا گئی تھی۔ جب وہ کوٹھی سے باہر آئے تو ان کے قدم شرابیوں کی طرح لڑکھڑا رہے تھے۔ دروازے پر کھڑی بیگم کی آواز کانوں میں رس گھو رہی تھی۔ "کل اسی وقت میں آپ کا انتظار کروں گی اور لنچ بھی آپ کے ساتھ ہوگا۔"

وہ اسکوٹر اسٹارٹ کرتے ہوئے اور ہاں ہاں کے انداز میں سرہلاتے ہوئے کوٹھی کے احاطے سے باہر آگئے۔ ان کے اندر جیسے آگ سی لگی ہوئی تھی۔ جوانی کے نشے میں اسکوٹر قابو سے باہر ہو رہا تھا۔ وہ ایک کولڈ ڈرنک کی دکان کے سامنے اسکوٹر روک کر ٹھنڈا مشروب پینے بیٹھ گئے۔ ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ میں اسکوٹر چلانے کے لیے اپنے ہوش و حواس کو درست رکھنا ضروری تھا ورنہ حادثے کا شکار ہو جاتے۔

وہ بیٹھے بیٹھے ٹھنڈی ٹھنڈی دو بوتلیں پی گئے۔ اندر کی حرارت کچھ کم ہوئی تو آئس کریم بھی منگوا کر اپنے دل و دماغ کو ٹھنڈک پہنچائی۔ اس کے بعد انہیں یہ سوچ کر خوشی ہوئی کہ وہ گناہ سے بال بال بچ گئے تھے۔ خدا کا خوف غالب آگیا تھا۔

ارمان صاحب بلاشبہ ایسے لوگوں میں سے تھے جو ہر حال میں خدا سے ڈرتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ آدمی گناہ کے ماحول سے دور رہے ورنہ اس ماحول کے زیر اثر رفتہ رفتہ خوف خدا بھی جاتا رہتا ہے۔ ارمان صاحب کے لیے یہ آزمائش کی گھڑی تھی کہ وہ کوٹھی کے ماحول سے کترا کر رہ سکتے ہیں یا نہیں۔

رات کو وہ گھر واپس آئے۔ کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ دل یہی چاہ رہا تھا کہ تنہائی میں آرام سے لیٹ کر بیگم کو یاد کرتے رہیں لیکن گھر میں ان کی منکوحہ عذرا بیگم تھیں جو ستائیس برس سے ان کی تنہائی کی رفیقہ تھیں اور اب بہت پرانی، کباڑخانے کی چیز لگتی تھیں۔ ارمان صاحب نے ان سے کترا کر برآمدے میں چارپائی ڈال لی اور وہیں بستر لگا کر لیٹ گئے۔

وہ رات خوابوں اور خیالوں کی دنیا بسانے والی رات تھی۔ وہ کروٹ پر کروٹ بدلتے رہے اور خیالوں ہی خیالوں میں کوٹھی والی بیگم سے شادی کر کے اپنے ارمان پورے کرتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صبح تک بیگم صاحبہ اور زیادہ حواس پر چھا گئیں۔ صبح

www.pklibrary.net



ازان کے وقت انہیں ہوش آیا کہ وہ اب تک جوانی کے طلسم میں گم رہے تھے۔

انہوں نے فوراً ہی اٹھ کر غسل کیا، اور نماز ادا کی۔ دعا مانگتے وقت وہ دل ہی دل میں گڑگڑانے لگے۔

"میرے معبود! میں کیا کروں؟ بیگم کی طرف جاؤں گا تو گناہ اپنی طرف کھینچے گا۔ نہیں جاؤں گا تو اندر ہی اندر تڑپتا رہوں گا۔ بیگم میری جوانی کا ایسا لقمہ ہے جسے نہ نگل سکتا ہوں نہ اگل سکتا ہوں۔ میں کیا کروں؟ خدایا! تو ہی میری مشکل آسان کر سکتا ہے۔"

صبح ناشتے سے فارغ ہونے تک ان کا یہی ارادہ تھا کہ بیگم سے ملنے نہ جائیں۔ حتی الامکان کترانے کی کوشش کریں گے۔ اس ارادے کے باوجود انہوں نے ٹیلر ماسٹر سے سلوایا ہوا نیا سوٹ زیب تن کیا۔ پہلے وہ عطر لگایا کرتے تھے اب یوڈی کلون کی انگریزی خوشبو لگائی۔ اگر وہ حسب معمول عام حالت میں دکانداری کے لیے گھر سے روانہ ہوتے تو یقیناً دکان تک پہنچ جاتے لیکن وہ خود نہ سمجھ سکے کہ نئے سوٹ میں بسی ہوئی خوشبو انہیں کس طرح سحرزدہ کرتی ہوئی بیگم کی کوٹھی تک لے گئی۔

اسکوٹر کی آواز سنتے ہی بیگم دروازے پر آ گئیں۔ اور مسکرا کر بولیں۔ "مائی گڈنس اسکوٹر کی آواز ایسی لگتی ہے جیسے پٹاخے چھوٹ رہے ہوں۔"

ارمان صاحب کو کمتری کا احساس ہوا۔ انہوں نے فوراً برتری جتائی۔ "ہاں میں اسے پھینکنے والا ہوں۔ نئی کار خریدوں گا۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئے۔ ان کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اگر پاس میں صوفہ نہ ہوتا تو فرش پر گر پڑتے بیگم ان کے ساتھ ہی صوفے پر گرتے ہوئے ہنس کر بولیں۔ "آپ اپنا بوجھ نہیں سنبھال سکتے تو میرا بوجھ کیسے سنبھالیں گے؟"

"آں...... یہ...... یہ بات نہیں ہے۔ میں دراصل صاف صاف بات کرنے آیا ہوں۔ ہم کو یعنی ہم دونوں کو پہلے شادی کر لینا چاہیے۔"

"کرلیں گے۔ جلدی کیا ہے۔"

"جلدی ہے۔ میں کل رات بھر نہ سو سکا۔"

وہ شرماتے ہوئے بولیں۔ "میں بھی نہ سو سکی۔ مگر میں کیا کروں۔ اتنی جلدی شادی نہیں کر سکتی۔ میں کل سے بہت پریشان ہوں۔"

www.pklibrary.net



"کیسی پریشانی؟"

"میرے بیٹے نے لندن سے تیس ہزار روپے کی فرمائش کی ہے۔ اگر میں نے یہ رقم ارسال نہ کی تو اس کی پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔ اس لیے میں پریشان ہوں۔"

ارمان صاحب نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی کوئی پریشانی کی بات ہے۔ آپ فوراً یہ رقم بھیج دیں۔ دو چار ہزار کی کمی ہوگی تو میں پوری کردوں گا۔"

"میرے پاس کمی نہیں ہے۔ دراصل میں بینک سے فکس ڈپازٹ کی رقم نکال نہیں سکتی۔ میری کار پچاس ہزار میں فروخت ہو سکتی ہے لیکن وہ کار میں آپ کو اپنی نشانی کے طور پر دینا چاہتی ہوں، فروخت نہیں کروں گی۔"

"اتنی بڑی کار آپ مجھے دیں گی!"

"وہ آپ سے بڑی نہیں ہے۔ آپ اسکوٹر چلاتے ہیں تو مجھے غریب غریب سے لگتے ہیں۔"

"لیکن..... میں..... تو نئی کار خریدوں گا"

وہ ذرا ناراضگی سے بولیں۔ "اوہ میں سمجھی! میری کار پرانی ہے۔ کبھی میں بھی پرانی ہو جاؤں گی۔"

وہ جلدی سے اپنی روٹھی ہوئی محبوبہ کا ہاتھ تھام کر بولے۔ "یہ..... یہ بات نہیں ہے۔ خدا کی قسم آپ میرے لیے کبھی پرانی نہیں ہوسکتیں۔ میں تو چاہتا تھا کہ آپ وہ کار فروخت کرکے اپنے بیٹے کا مطالبہ پورا کردیں۔ بہرحال جب وہ تحفہ میرے لیے مخصوص ہو چکا ہے تو پھر میں آپ کے لیے تیس ہزار کا بندوبست کردوں گا۔"

"نہیں، آپ میرے لیے پریشان نہ ہوں۔ آپ تو یہی سمجھتے ہیں کہ شادی کے بغیر میں آپ کی نہیں ہوں۔ آپ یہ دکھاوے کی محبت رہنے دیں۔"

ارمان صاحب روٹھنے کی اس ادا پر ہزار جان سے قربان ہوگئے۔ "میں شادی کے بغیر بھی آپ کا ہوں اور شادی کے بعد بھی آپ ہی کا رہوں گا لیکن بہتر یہی ہے کہ شادی ہو جائے۔"

"آپ تو جانتے ہیں کہ تعلیم یافتہ گھرانوں میں ایک بیوہ عورت کو اپنے جوان بیٹے سے شادی کی اجازت لینی پڑتی ہے۔"

www.pklibrary.net



ہاں اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یوں بھی ہمیں اس طرح شادی نہیں کرنا ہے کہ
بچوں سے یہ بات چھپائی جائے۔ میں کل تک تیس ہزار کا انتظام کرلوں گا۔"
بیگم پھر ایک بار گلے کا ہار بن گئیں۔ ارمان صاحب کو تنہائی میں یہی ادائیں یاد آ
تڑپاتی رہتی تھیں۔ دماغ یہ سمجھاتا تھا کہ ایک حسینہ دل و جان سے ان پر فدا ہو چکی ہے
اگر وہ اس کی تنہائی دور نہیں کریں گے تو وہ بے چاری مرجائے گی۔
جب وہ رخصت ہونے کے لیے کوٹھی سے باہر آئے تو بیگم نے انہیں کار کی چا
دیتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتی ہوں کہ آپ میری کار میں بیٹھ کر جائیں۔"
"ابھی تو میں اسکوٹر لے جا رہا ہوں۔ کل رقم لے کر آؤں گا تو کار لے جاؤں گا۔"
"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے میری کار خرید رہے ہوں۔ دیکھئے میں صاف کہ
دیتی ہوں کہ نہ میں کار فروخت کر رہی ہوں اور نہ آپ تیس ہزار مجھے قرض دے رہے
ہیں۔ میری چیز آپ کی ہے اور آپ کا سب کچھ میرا ہے۔ ٹھیک ہے نا؟"
"بالکل ٹھیک۔" وہ اسکوٹر پر بیٹھ کر روانہ ہوگئے۔ اب وہ سوچ رہے تھے کہ تیس
ہزار کا انتظام کیسے کیا جائے؟ بینک میں پچیس ہزار تھے۔ یہ رقم اپنے نئے مکان کے رنگ
و روغن اور اندرونی سجاوٹ کے لیے تھی۔ دکان کا مال خریدنے کے لیے علیحدہ چالیس
ہزار تھے۔ وہ کاروبار کی یہ رقم بیگم پر خرچ نہیں کرسکتے تھے۔ ہاں عذرا بیگم کے نئے مکا
والی رقم اپنی نئی ہونے والی بیگم کو دے سکتے تھے۔
انہوں نے اسکوٹر کو ایک دکان پر فروخت کرنے کے لیے چھوڑا اور گھر پہنچ کر اعلا
کر دیا کہ وہ دوسری شادی کرنے والے ہیں۔ یہ سنتے ہی پرانے رشتوں میں ہلچل سی
گئی۔ عذرا بیگم نے رو رو کر گڑگڑا کر اپنی ستائیس سالہ رفاقت اور خدمات کا واسطہ دیا
لیکن وہ یہی کہتے رہے کہ دوسری شادی ان کی اٹل ضرورت ہے اور وہ کوئی ناجائز قد
نہیں اٹھا رہے ہیں۔
ان کے جوان بچوں نے اپنی ماں کی طرف سے احتجاج کیا۔ ناراضگی بھی ظاہر کی
ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ دوسری شادی کا انہیں حق حاصل تھا۔ لہٰذا وہ اپنا حق حاصل کرنے
کے لیے دوسرے دن تیس ہزار روپے لے کر کوٹھی پر پہنچ گئے۔ بیگم خوشی سے پھولے
سما رہی تھیں۔ کہنے لگیں۔ "آپ جیسا زبان کا دھنی کبھی نہیں دیکھا۔ آپ جو کہتے ہیں

www.pklibrary.net



دلھاتے ہیں۔ ہائے میں کتنی خوش نصیب ہوں کہ آپ میرے سرتاج بننے والے ہیں۔"
ارمان صاحب نے پہلی بار بیگم کو تم کہہ کر مخاطب کیا۔ "اب تم فوراً ہی اپنے بیٹے کو خط لکھو کہ تم نے مجھ سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"
"میں ابھی لکھوں گی لیکن ایک بات اور ہے میں اپنے بیٹے کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تیس ہزار کی رقم معمولی نہیں ہوتی۔ وہ سوچ سمجھ کر احتیاط سے خرچہ کرے اگر اسے میں یہ لکھ دوں کہ آپ نے سوتیلے باپ کی حیثیت سے یہ رقم دی ہے تو وہ اور سر چڑھ جائے گا۔ آئندہ بھی بڑی رقموں کا مطالبہ کرے گا۔ اگر میں یہ لکھوں کہ بیٹے کی ضد پوری کرنے کے لیے مجھے اپنی کار فروخت کرنا پڑی ہے تو وہ نادم ہو گا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"
"تم بڑی دانش مندی سے سوچتی ہو۔ واقعی بچوں کو اپنی پریشانیوں کا احساس دلانا چاہیے تاکہ وہ فضول خرچی سے باز رہیں۔"
"تو پھر آپ ایک کچے کاغذ پر لکھ دیں کہ آپ نے تیس ہزار روپے میں میری کار خریدلی ہے۔ میں یہ کاغذ اپنے بیٹے کو بھیج دوں گی۔"
وہ ذرا ہچکچانے لگے کیونکہ انہوں نے تیس ہزار محبت میں دیے تھے اور کار محبت میں حاصل کی تھی۔ بیگم نے پوچھا۔ "آپ کیوں ہچکچا رہے ہیں؟ ہمارے درمیان کوئی سودے بازی نہیں ہو رہی ہے۔ یہ تو صرف اپنے بیٹے کو......"
"ہاں ہاں میں سمجھ گیا۔ ٹھیک ہے۔ میں لکھ دیتا ہوں۔"
بیگم انہیں بیڈ روم میں لے آئیں۔ وہ اتنا خوب صورت بیڈ روم تھا کہ وہ خوابوں میں کھوگئے اور چشم تصور میں انہیں بیگم اپنے قریب ہوتی ہوئی نظر آئیں۔ ویسے بھی عشق میں دماغ سو جاتا ہے۔ انہوں نے سپنے کی حالت میں وہاں بیٹھ کر خریداری کا کاغذ لکھ دیا۔ بیگم نے فوم کے آرام دہ بستر پر لیٹ کر اس کچے کاغذ کو پڑھا۔ پھر اسے تہ کر کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ اس کے بعد مسکراتے ہوئے ایک بھرپور انگڑائی لی۔
انگڑائی اسے کہتے ہیں جو بدن کے پیچ کر دیتی ہے۔
وہ تھرا گئے۔ ایک دم سے ان کے اندر تڑپ پیدا ہوئی
لیکن جذبوں کی آندھی میں بھی وہ چیخ مار کر "جل تو جلال تو" کہتے ہوئے خواب گاہ کی رنگینیوں سے باہر آگئے۔

www.pklibrary.net



ان کی چیخ سن کر ملازم دوڑتا ہوا آیا۔ "صاحب! کیا بات ہے؟"
وہ ہانپتے ہوئے صوفے پر بیٹھ کر بولے۔ "گلاس میں برف ڈال کر پانی لاؤ۔"
"صاحب! فریج کا پانی ٹھنڈا ہے۔ برف کی ضرورت نہیں ہوگی۔"
"ہوگا..... فریج سے پانی بھی لاؤ اور برف بھی۔"
ملازم دوڑتا ہوا گیا۔ اور دوڑتا ہوا آیا۔
اور ان کے سامنے ٹھنڈے پانی کی بوتل' ایک گلاس اور برف کی ٹرے رکھ دی۔ ارمان صاحب نے اسے واپس جانے کا حکم دیا۔ پھر اس کے جاتے ہی انہوں نے برف کی ٹرے الٹ کر اپنے سر پر رکھی اور ٹھنڈے پانی کی بوتل اٹھا کر اپنے سینے پر رکھتے ہوئے زور زور سے سانس لینے لگے۔
تھوڑی دیر بعد بیگم خواب گاہ سے باہر آئیں اور ناگواری سے بولیں۔ "آپ نے میری انسلٹ کی ہے۔ کیا میں ایسی گئی گزری ہوں کہ آپ بھاگ کر چلے آئے۔"
"نہیں' یہ بات نہیں ہے۔ دراصل میں تمہیں......."
وہ ڈانٹ کر بولیں۔ "خبردار! مجھے تم سے مخاطب نہ کرنا۔ ہمارے درمیان نہ بے تکلفی ہوئی ہے اور نہ کبھی ہوگی۔"
"آپ ناراض ہوگئیں۔"
"آپ جیسے مولوی کے ساتھ کوئی عورت خوش نہیں رہ سکتی۔"
"خدارا ایسا نہ کہیں۔ میں آپ کو شریک حیات بنانے کے بعد یعنی کہ محرم راز بنانے کے بعد ہی' ہی ہی ہی......."
وہ شرما کر ہنسنے لگے۔ بیگم نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "گیٹ آوٹ۔"
وہ بوکھلا کر کھڑے ہوگئے۔ "کک...... کیا مطلب؟ آ...... آپ میری انسلٹ کر رہی ہیں۔"
وہ تیزی سے چلتے ہوئے کوٹھی کے باہر آئیں۔ ارمان صاحب بھی پیچھے دوڑتے ہوئے آئے' بیگم نے ان کے ہاتھ میں کار کی چابی دیتے ہوئے کہا۔ "سودے کے مطابق گیراج سے کار نکال کر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"
"میں نے سودا نہیں کیا ہے۔ میں نے تو محبت سے......."

www.pklibrary.net



"بڑے میاں! ہوش میں رہو۔ ایک شریف بیوہ عورت سے عشق کرتے شرم نہیں آتی؟"

بڑے میاں کا خطاب سن کر ان کا سر چکرا گیا۔ اس وقت وہ آئینہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ بدستور جوان ہیں یا نہیں؟ پرانے محلے کی تمام عورتیں' ماضی کے تمام لوگ ان کے کانوں کے پاس چیخ رہے تھے۔ "بڑے میاں۔ بڑے میاں۔ بڑے میاں....."

بیگم نے ان کے اندرونی کرب سے بے نیاز ہو کر ملازموں کو آواز دیتے ہوئے کہا۔ "پکے کاغذ کے مطابق رقم میری اور کار تمہاری ہے۔ جاؤ اور اپنی حیثیت کے مطابق کسی نچلے کلاس کی عورت سے عشق کرو۔"

بیگم کا رویہ انہیں برف سے زیادہ ٹھنڈا کر چکا تھا۔ وہ چپ چاپ گیراج میں آئے اور کار میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرنے لگے۔ کار اسٹارٹ ہوتی تھی پھر انجن ان کی طرح ٹھنڈا پڑ جاتا تھا۔ بیگم کے ملازم کار کو دھکے دے کر کوٹھی کے احاطے سے باہر لائے تو وہ چل پڑی۔

ارمان صاحب اگر کار خریدنے سے انکار کرنا چاہتے تو شاید لڑائی جھگڑے کے بعد انہیں اپنے تیس ہزار روپے واپس مل جاتے لیکن وہ بیگم کی مکاری اور ان کے بڑے پن سے مرعوب تھے۔ وہ دوسروں کے سامنے اگر بے حیائی سے کہہ دیتیں کہ ارمان صاحب نے ان کے بدن کو ہاتھ لگایا ہے تو وہ شرم سے مرجاتے۔ اگر نہ مرتے تو اقرار کرنا پڑتا کہ انہوں نے بیگم کو حاصل کرنے کے لیے تیس ہزار دیے تھے اور اٹھارہ ہزار کا قرض معاف کیا تھا۔ جب کہ بیگم ان سے نفرت کر رہی تھیں' شادی زبردستی نہیں ہوتی۔ ارمان صاحب نے جو بازی ہاری' وہ ان کی اپنی حماقت تھی۔

اس رات انہوں نے برآمدے میں بستر نہیں لگایا۔ اپنی عذرا بیگم کے پاس لیٹے رہے۔ عذرا بیگم ان کا سر سہلاتی رہیں اور پریشانی کی وجہ پوچھتی رہیں۔ وہ شرمندگی سے نہیں کہہ سکتے تھے کہ اپنی وفادار بیوی کے لیے سوکن لاتے لاتے اڑتالیس ہزار روپے کی چوٹ کھا چکے ہیں۔

ویسے پیسہ تو اب ان کے ہاتھ کا میل ہوگیا تھا۔ انہیں رقم ڈوب جانے کی اتنی پروا نہیں تھی جتنی کہ بیگم کی نفرت سے اپنی ذلت کا احساس ہو رہا تھا۔ اس عورت نے انہیں

www.pklibrary.net



بڑے میاں کہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر تلملا رہے تھے اور یہ ثابت کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے کہ وہ بڑے میاں نہیں ہیں۔ مشکل یہ تھی کہ وہ شادی سے انکار کر چکی تھیں۔

دوسرے دن پتہ چلا کہ کار ہمیشہ دھکے سے اسٹارٹ ہوتی ہے۔ تیسرے دن وہ اس کار کو مرمت کے لیے گیراج لے گئے۔ گیراج کے مالک نے کار کو دیکھتے ہی پوچھا۔ "کیا یہ یہ کار آپ نے دلشاد بیگم سے خریدی ہے؟"

"ہاں بھائی ذرا دیکھو کہ اس میں کیا خرابی ہے؟"

"اجی صاحب! اسے تو میں بارہا دیکھ چکا ہوں۔ یہ اوپر سے خوب صورت ہے۔ اندر سے ایک دم بوڑھی ہے۔ بیگم صاحبہ بیس ہزار میں دینے کے لیے تیار تھیں۔ لیکن میں اسے دس ہزار میں بھی لینے کو تیار نہ تھا۔ کہاں پھنس گئے آپ؟"

"اب تو پھنس گیا ہوں۔ آپ اسے دیکھ کر بتائیں کہ اس کی مرمت کے اخراجات کیا ہوں گے؟"

دو گھنٹے بعد مستری نے سات ہزار کا خرچ بتایا۔ ارمان صاحب کو پسینہ آگیا۔ ان کے دل سے پہلی بار بیگم کے لیے گالیاں نکلیں۔ ایک کار نے سمجھا دیا تھا کہ اوپر سے جوان نظر آنے والوں کو اپنے اندر کے بڑھاپے کا علم ہونا چاہیے۔ انہوں نے غصے سے کہا۔ "میں ایسی گاڑی پر لعنت بھیجتا ہوں۔ یہ جس قیمت پر بھی جائے، آپ اسے فروخت کردیں۔"

وہ اپنا نام اور پتہ لکھوا کر ہارے ہوئے جواری کی طرح دکان پر واپس آگئے۔ اب انہوں نے عہد کر لیا تھا کہ صرف کاروبار میں دھیان لگائیں گے۔ وہ شام تک دکان پر بہت مصروف رہے لیکن رات بڑی ظالم ہوتی ہے۔ اندھیرے اور تنہائی میں انسان کو ورغلاتی ہے اور انگڑائی کے بیچے بتاتی رہتی ہے۔

ان کی راتیں بڑے ہی کرب کے عالم میں گزرنے لگیں۔ دن کو کاروبار میں دل لگانے کی کوشش کرتے تھے مگر دل کہیں اور لگتا تھا۔ ذہن کہیں اور پرواز کرتا تھا۔ انہوں نے بڑے صبر و تحمل سے جوانی کے باغیانہ جذبوں کو کچلتے کچلتے چھ ماہ گزار دیے، بیگم کو بالکل ہی دماغ سے نکال کر پھینک دیا لیکن رفتہ رفتہ پتہ چلا کہ ان کی عادتیں کچھ بگڑتی جارہی تھیں۔ وہ آس پاس سے گزرنے والی جوان عورتوں کو بے اختیار دیکھنے لگتے تھے۔

www.pklibrary.net



پھر خیال آتا کہ یہ گناہ ہے تو وہ نظریں جھکا لیتے۔ پھر دل کہتا کہ صرف دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے تو وہ محض دیکھ لینے کے لیے دیکھ لیتے تھے۔

اکثر یہی ہوتا ہے کہ پہلے نظریں بھٹکتی ہیں، پھر دل ڈولتا ہے.. پھر دماغ پکتا ہے۔ آخر کار آدمی خطاؤں کا پتلا بننے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ ارمان صاحب نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ وہ دوسری شادی کیے بغیر نہیں رہ سکیں گے اور اب کی بار وہ عشق نہیں کریں گے، شریفانہ دستور کے مطابق کسی شریف گھرانے میں شادی کا پیغام بھیجیں گے۔

وہ دوستوں سے رائے مشورہ طلب کرنے لگے۔ اگر کھانا نہ ہو اور صرف مرغن کھانوں کا ذکر ہوتا رہے تو قدرے جی بہلتا رہتا ہے۔ امید بندھی رہتی تھی کہ کہیں نہ کہیں رشتہ طے ہو جائے گا۔ اسی امید میں مزید تین ماہ گزر گئے۔ ایک صاحب کھری باتیں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے صاف کہہ دیا۔ "ارمان صاحب! میں دو جگہ رشتے کی بات کر چکا ہوں۔ وہ پوچھتے ہیں۔ لڑکا کیسا ہے؟ اب بتائیں۔ آپ لڑکے تو ہیں نہیں۔ ایسے وقت مجھے بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔"

ارمان صاحب نے کہا۔ "میں لڑکا نہیں ہوں مگر بوڑھا بھی نہیں ہوں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے، عمر ذرا زیادہ ہے اور زیادہ عمر والے خوشگوار ازدواجی زندگی گزارتے ہیں۔ نئے شریک حیات بناتے ہیں، اسے ہمیشہ خوش رکھتے ہیں۔"

اس وقت انہیں یہ یاد نہیں آیا کہ وہ عذرا بیگم کے ساتھ خوشگوار ازدواجی زندگی نہیں گزار رہے ہیں۔ اپنی ایک ہی بیگم کو خوش رکھنے میں ناکام رہے ہیں۔ انسان ایک نئے حسن کی آرزو میں پچھلے تمام حسن اور وفاؤں کو فراموش کر دیتا ہے یا جان بوجھ کر چشم پوشی کرتا ہے۔

کچھ عرصے بعد ارمان صاحب نے دوستوں سے مایوس ہو کر اپنے طور پر کوشش کی۔ ایک شادی دفتر میں پہنچ گئے اور اپنا مدعا بیان کیا۔ پہلے زمانے میں لڑکے لڑکی کا رشتہ طے کرنے والے کو نائی کہا جاتا تھا۔ آج کے ماڈرن زمانہ میں شادی دفتر کے کارکنوں کو پتہ نہیں کیا کہا جاتا ہے۔ بہرحال وہاں کے ایک کارکن نے بتایا کہ جناب ایک بیوہ شادی کی خواہش مند ہے۔"

بیوہ کا ذکر سن کر ارمان صاحب کا زخم تازہ ہو گیا۔ کوٹھی کی بیگم نگاہوں کے سامنے

www.pklibrary.net


آ گئیں۔ انہوں نے پوچھا۔ "عمر کیا ہے؟"
"تیس برس، یعنی کہ ابھی جوان ہے۔ دو بچے بھی ہیں۔"
وہ انکار میں سر ہلا کر بولے۔ "بچوں والی نہیں چاہیے۔"
"اچھا تو ایک اور بیوہ ہے۔ اس کی عمر......."
انہوں نے بات کاٹ کر پوچھا۔ "کیا آپ کے ہاں صرف بیوہ عورتوں کے رشتے ہیں۔"
"نہیں، دراصل ہم چاہتے ہیں کہ پہلے بیوہ عورتوں کو آپ جیسے شریفوں کے ہاں پناہ مل جائے ویسے بھی آپ کی عمر کے مطابق....."
انہوں نے پھر بات کاٹ کر پوچھا۔ "کیا میں بوڑھا ہوں؟"
"نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ ٹھیک ہے اگر آپ کنواری لڑکی کا رشتہ چاہتے ہیں تو میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔"
اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کی عمر کیا ہے؟"
ارمان صاحب ہچکچائے۔ فوراً ہی فیصلہ کیا کہ صحیح عمر بتائیں گے تو دال نہیں گلے گی۔ ایک کم سن بیوی حاصل کرنے کے لیے ذرا سا جھوٹ بول دیا جائے تو کام بن جائے گا۔ اس کے بعد آئندہ جھوٹ بولنے سے توبہ کر لیں گے۔
وہ اٹک اٹک کر بولے۔ "میری عمر..... میری عمر یہی کوئی تیس بتیس برس ہے۔"
ان کی عمر پر تبصرہ نہ ہوسکا کیونکہ فون پر غالباً دوسری طرف سے آواز آنے لگی۔ جواباً کہا گیا۔ "جناب! میں شادی دفتر سے مرزا بول رہا ہوں۔ ایک صاحب شادی کے خواہش مند ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں ابھی انہیں لے کر آپ کے ہاں آجاؤں۔"
مرزا صاحب تھوڑی دیر خاموش رہ کر دوسری طرف کی باتیں سننے لگے۔ ارمان صاحب اپنی کرسی پر بے چینی سے پہلو بدل رہے تھے۔ پھر مرزا صاحب نے کہا۔ "جناب! بالکل لڑکے تو گویا نہیں ہیں۔ عمر کچھ زیادہ ہے، مگر دولت مند ہیں نہایت شریف انسان ہیں۔"
مختصر سا جواب موصول ہوا۔ مرزا صاحب نے ریسیور رکھ کر کہا۔ "چلئے......"

www.pklibrary.net


ارمان صاحب اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں یوں لگا جیسے رشتہ منظور ہو چکا ہے۔ دل بے اختیار دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا کہ اڑتے ہوئے سسرال پہنچ جائیں مگر ان دنوں ان کے پاس کار نہیں تھی۔ بیگم کا دھکے لگانے والا تحفہ وہ فروخت کر چکے تھے' اسکوٹر پہلے ہی بک چکا تھا۔ کافی دیر کے بعد ایک ٹیکسی ملی۔ اسے میٹر سے پانچ روپے زیادہ دے کر وہ مرزا صاحب کے ساتھ ہونے والی سسرال پہنچ گئے۔

وہ تین کمروں کا ایک مکان تھا۔ انہیں چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا۔ مکان یونہی سا تھا مگر وہاں کے مکیں خوش پوش نظر آئے۔ شاید اس لیے کہ لڑکا آنے والا تھا۔ ایک بزرگ ارمان صاحب کو دیکھ کر قدرے مایوس ہوئے مگر اخلاقاً مسکرا کر ایسے سوالات کرنے لگے جیسے انٹرویو لے رہے ہوں

ارمان صاحب کی حالت عجیب سی تھی وہ ایسے گھبرائے ہوئے تھے جیسے پہلی بار بر دکھوے کے لیے آئے ہوں۔ جب انٹرویو ختم ہو گیا تو بزرگ نے فرمایا۔ "اب ہم اپنے متعلق بتادیں کہ ہماری آمدنی معمولی ہے۔۔ اس لیے صاحب زادی کے ساتھ جہیز نہیں دے سکیں گے۔"

کوئی بات نہیں' میں جہیز کو لعنت سمجھتا ہوں۔"

"ہماری صاحب زادی کی عمر اکیس برس ہے۔ پردے کے سخت خلاف ہے۔ کیا آپ اسے برقع پہنائیں گے؟"

وہ تذبذب میں پڑ گئے کیونکہ وہ بے پردگی پسند نہیں کرتے تھے اور ہونے والی دلہن' اس کے باپ کو ناراض بھی نہ کر سکتے تھے اس لیے کہنا پڑا۔ "جی نہیں' برقع کوئی ضروری نہیں ہے۔ یہ تو پرانی باتیں ہیں۔ بس آنکھ کا پردہ ہونا چاہیے۔"

بزرگ نے فرمایا۔ "ہماری پہلی شرط یہ ہے کہ آپ نکاح سے پہلے اپنا مکان ہماری صاحب زادی کے نام لکھ دیں۔"

"آپ ایسی شرط پیش نہ کریں۔ آپ کی صاحب زادی تو میری آدھی دولت اور جائداد کی مالکہ ہوں گی۔"

"نہیں صاحب! صاف گوئی معاف کریں۔ آپ کے جوان بچے آپ کے بعد میری صاحب زادی کے لیے مصیبت بن جائیں گے۔"

www.pklibrary.net


اتنے میں ایک جوان لڑکی ٹرے میں شربت کے گلاس لے کر آئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے سلام کیا پھر ایک ایک گلاس پیش کرنے کے بعد صوفے پر بیٹھ گئی۔ بزرگ نے تعارف کرایا۔ "یہی میری صاحب زادی ہیں۔ ہم پردے کے قائل نہیں ہیں۔"

وہ شرما نہیں رہی تھی۔ لیکن ارمان صاحب شرما شرما کر دیکھ رہے تھے۔ لڑکی ان کی توقع کے مطابق حسین اور جوان تھی۔ خرابی صرف یہ تھی کہ اس کے سر پر آنچل نہیں تھا۔ ماڈرن زمانے کی لڑکی دلہن بننے سے پہلے بے باکی سے سامنے آگئی تھی۔

بزرگ نے فرمایا۔ "ہاں تو میں شرائط بیان کر رہا تھا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ آپ دو ہزار روپے ماہانہ اخراجات کے لیے دیں گے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ آپ ہماری صاحب زادی کو سہیلیوں سے ملنے، فلمیں دیکھنے سے اور دیگر تفریحات سے منع نہیں کریں گے۔ آپ ابھی ہاں یا ناں میں جواب دیں۔ کل تحریری معاہدہ، ہو جائے گا۔"

ارمان صاحب ایک حسین لڑکی کے سامنے "ناں" نہیں کرسکتے تھے۔ انہوں نے لڑکی کی جانب دیکھا تو اس نے شرما کر گردن جھکا لی۔ یہ ادا انہیں بہت پسند آئی۔ اس عمر میں ایسی کم سن ادائیں نصیب والوں کو ہی ملتی ہیں۔ انہوں نے کہا۔ "آپ مجھے ذرا سوچنے کا موقع دیں۔ میں کل حاضر ہو کر اپنا فیصلہ سنا دوں گا۔"

لڑکی والے راضی ہوگئے۔ واپسی میں مرزا صاحب نے سمجھایا۔ "جناب! آپ جوان بچوں والے ہیں۔ لڑکی والے اپنی لڑکی کے مستقبل کی ضمانت حاصل کرنے کے لیے اسی طرح شرائط پیش کریں گے۔"

ارمان صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ سوچتے رہے۔ گھر آکر بھی سوچ میں ڈوبے رہے اگر وہ لڑکی سامنے نہ آتی تو شاید وہ اتنا نہ سوچتے لیکن وہ تو دل و دماغ پر چھا گئی تھی۔ ان کے اندر سے آواز آئی تھی کہ اس عمر میں ایسی کم عمر دلہن اور کہیں نہیں ملے گی۔ شرائط مان لی جائیں۔

عذرا بیگم نے عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد کہا۔ "خدا جانے دوسری شادی کے خبط میں کیوں مبتلا ہوگئے ہیں۔ آج آپ نے نماز بھی نہیں پڑھی۔"

وہ اٹھ کر وضو کرنے لگے۔ عذرا بیگم نے کہا۔ "میں تو ہر نماز کے بعد یہی دعا مانگتی

www.pklibrary.net


ہوں کہ کوئی آپ کو اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ نہ دے۔ اپنی بیٹی جوان ہوگئی ہے اور آپ چھوکریاں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ توبہ۔ توبہ......."

"بکواس مت کرو۔" انہوں نے ڈانٹ کر کہا اور نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے نماز کی نیت کرنے کے بعد اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیے۔ بے شک اللہ سب سے بڑا ہے لیکن شیطان انسانی جذبوں کو اس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے کہ عبادت میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ ارمان صاحب طوطے کی طرح آیتیں پڑھ رہے تھے لیکن ان کی سوچ اس دوشیزہ کی طرف پرواز کر رہی تھی، جس کے سر سے آنچل ڈھلکا ہوا تھا اور وہ اک ادائے ناز سے مسکراتے ہوئے شربت کا گلاس پیش کر رہی تھی۔

وہ شربت سے زیادہ میٹھی لگ رہی تھی۔ لیکن مکان کے کاغذات عذرا بیگم کے پاس تھے۔ اگر ان سے مانگے جاتے تو گھر میں ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا۔ وہ نئی آنے والی کو اپنی بیوی کے تمام حقوق دے سکتے تھے لیکن ان کی جائداد چھین کر اس سوکن کو نہیں دے سکتے تھے۔ اور نیا مکان بنوانے کے لیے رقم بھی نہیں تھی۔

یہ سب سوچتے سوچتے نماز ہوگئی۔ اکثر لوگ ایسی ہی نیت باندھ کر اپنی محبوباؤں کے حضور پہنچ جاتے ہیں۔ دوسرے دن انہوں نے مرزا صاحب سے کہا۔ "لڑکی والوں کی شرائط بڑی سخت ہیں۔ میں ماہانہ ہزار روپے دے سکتا ہوں مگر فی الحال اس کے لیے نیا مکان نہیں بنوا سکتا اور نہ ہی پہلی بیوی کا حق چھین کر اسے دے سکتا ہوں۔"

مرزا صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جناب! دوسری شادی کا مطلب ہی پہلی بیوی کے حقوق چھیننا ہیں پھر لڑکی والے یہ نہیں سوچتے کہ کیا چھین رہے ہیں۔ وہ تو صرف اپنی لڑکی کے بہتر سے بہتر مستقبل کے لیے سوچتے اور شرائط لگاتے ہیں۔"

"پھر میری مشکل کیسے آسان ہوگی؟"

"ہاں صاحب آپ کی عمر میں جوانی آئے تو بڑی مشکلات ہو جاتی ہیں۔ آپ اخبار کے اشتہار کے اخراجات برداشت کریں تو شاید آپ کی مشکل آسان ہو جائے۔"

ارمان صاحب کو تو وہ شربت والی دوشیزہ اچھی لگ رہی تھی مگر مجبوراً اشتہار شائع کرانے کے لیے راضی ہوگئے۔ اس طرح ہو سکتا تھا کہ شربت والی سے بہتر مٹھاس مل جاتی۔

www.pklibrary.net


ایک ہفتے بعد اشتہار شائع ہوا۔ اشتہار کچھ یوں تھا۔ "پینتیس برس کے ایک خوبرو جوان کو ایک دوشیزہ کا رشتہ درکار ہے۔ رشتے کا طالب صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے۔ ماہانہ آمدنی دو ہزار روپے ہے۔ صوم و صلوٰۃ کی پابند مشرقی دوشیزہ کو ترجیح دی جائے گی۔"

ایسی دوشیزہ کو ترجیح دینے کی بات اس لیے کہی گئی کہ نماز روزے کی پابند رہنے والیاں فضول خرچ نہیں ہوتیں۔ فلمیں نہیں دیکھتیں۔ میک اپ نہیں کرتیں۔ اور ان کے والدین بڑی بڑی شرائط پیش نہیں کرتے۔

وہ اشتہار ہفتے میں دوبار شائع ہوا لیکن دو ماہ گزرنے کے بعد صرف ایک رشتہ آیا۔ لڑکی والوں کے ہاں جا کر پتہ چلا کہ لڑکی خالص مشرقی اور عبادت گزار ہے مگر کالی ہے۔ کچھ یونہی سا ناک نقشہ ہے اور اکثر بیمار رہتی ہے۔

بڑی عجیب بات ہے کہ اس ملک میں نماز روزے کی پابند لڑکیاں نہیں ہیں۔ اگر ہوتیں تو اشتہار کے جواب میں رشتے ضرور آتے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کالی پیلی لڑکیاں دلہن بننے کے لیے عبادت کرتی اور دعائیں مانگتی ہوں۔ حسین لڑکیاں تو دعاؤں اور اشتہاروں کے بغیر ہی ایک گھر کی جنت کے لیے آدم زاد کو پیچھے لگا لیتی ہیں۔

مرزا صاحب نے مشورہ دیا۔ "جناب! آپ اشتہار کا مضمون بدل دیں۔ آج کل کی لڑکیاں آزاد خیال ہیں۔ فلمیں تو ضرور دیکھتی ہیں۔ انہیں نماز روزے کی فرصت نہیں ملتی۔ آپ اتنی کڑی شرط نہ لگائیں۔"

وہ مرزا صاحب کے مشورے پر وہ دو دنوں تک غور کرتے رہے۔ چونکہ دوسری بیوی کی شدید ضرورت تھی اور یہ بات سمجھ میں آگئی تھی کہ آج کل کی لڑکیاں ان کے مزاج کے مطابق ڈھلنا پسند نہیں کریں گی' خود انہیں کسی ماڈرن لڑکی کے مزاج کے مطابق ڈھلنا ہوگا۔ اس لیے انہوں نے دوسرا اشتہار دیا۔

"ایک دولت مند جوان کے لیے ایک خوب صورت تعلیم یافتہ دوشیزہ کا رشتہ درکار ہے۔ رشتے کا طالب آزاد خیال ہے۔ پوسٹ بکس نمبر فلاں کے ذریعے رابطہ قائم کریں۔"

یہ اشتہار شائع ہوا تو بے شمار خطوط آنے لگے۔ ارمان صاحب بہت زیادہ مصروف ہوگئے۔ کبھی اس پتہ پر کبھی اس پتہ پر رشتہ کی بات کرنے کے لیے جاتے تھے لیکن ان کی

www.pklibrary.net



عمر کے پیش نظر ایسی شرائط پیش کی جاتی تھیں جنہیں وہ قبول نہیں کر سکتے تھے۔ بے چارے نے دوسری شادی کے لیے اتنی دوڑ لگائی تھی کہ اب تھک رہے تھے۔ یہ سوچ کر بے حد صدمہ ہوتا تھا کہ دوبارہ ملنے والی جوانی رائگاں جا رہی ہے۔

ان کے ہم عمر لوگوں میں سے ایک نے کہا۔ "ارمان! جب تم ہماری طرح سوکھے درخت نظر آتے تھے اور چھڑی کا سہارا لے کر چلتے تھے۔ اس وقت ہمارے درمیان بڑی دوستی تھی۔ ہمارے ساتھ گھنٹوں بیٹھ کر دین اسلام کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اچھی صحت دی ہے تو ہم بوڑھوں سے کترا کر جوانوں سے دوستی کر رہے ہو۔ جوان چھوکریاں تلاش کر رہے ہو۔ لاحول ولا قوۃ"

ارمان صاحب نے کہا۔ "جب تم سب جوان تھے۔ اس وقت جوانی بہت بڑی نعمت تھی۔ انسان کی عادت ہے کہ بوڑھا اور کمزور ہونے کے بعد جھنجلا کر جوانوں پر لاحول پڑھتا ہے۔ تم سب بھول گئے کہ جوانی کی آندھی زور دکھاتی ہے تو جوان مرد کس طرح بہکنے لگتے ہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں دوسری شادی نہ کروں گناہ کی دلدل کی طرف دھنسنے کے لیے چلا جاؤں۔"

ایک بوڑھے نے کہا۔ "نفس پر قابو پاؤ۔"

"یہ نصیحت بڑھاپے میں پر اثر اور جوانی میں بے اثر ہوتی ہے اور چونکہ بے اثر ہوتی ہے اس لیے چار شادیاں تک کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ وہ بھی محض اس لیے کہ ہم گناہ سے باز رہ سکیں۔"

وہ اپنے بوڑھے دوستوں سے بحث کرنے میں مصروف تھے۔ اتنے میں مرزا صاحب پہنچ گئے۔ انہوں نے ارمان صاحب کو ایک طرف بلا کر کہا۔ "ایک بڑے گھرانے کی لڑکی کا رشتہ ہے۔ وہ لوگ آپ سے کوئی مطالبہ نہیں کریں گے اور اپنی لڑکی کے نام مکان وغیرہ لکھوانے کی شرط بھی پیش نہیں کریں گے۔ آپ فوراً اس پتے پر پہنچ کر ان سے ملاقات کریں۔"

مرزا صاحب نے ایک کارڈ ان کے حوالے کر دیا۔ وہ اسی وقت اپنے بوڑھے دوستوں کو خدا حافظ کہہ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ کارڈ کے مطابق وہ جس کوٹھی میں پہنچے اس کی ظاہری حالت بتا رہی تھی کہ وہاں کے مکیں بہت دولت مند اور ماڈرن قسم کے

www.pklibrary.net



لوگ ہیں۔ کوٹھی کے اندر پہنچ کر اس بات کی تصدیق ہو گئی۔ وہاں سب انگریزی بول رہے تھے اور ارمان صاحب کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے کوئی عجیب چیز دیکھ رہے ہوں۔

ایک جوان لڑکی پتلون اور شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ وہی ان کی ہونے والی دلہن تھی۔ ارمان صاحب پریشان ہو گئے۔ اگرچہ وہ دوشیزہ بے حد حسین اور اسمارٹ تھی۔ تاہم اس سے شادی کرنا ہاتھی پالنے کے مترادف تھا۔ بعد میں وہ بہت مہنگی پڑتی۔ اس کے ڈیڈی نے فرمایا۔ "آپ کی عمر زیادہ ہے مگر کوئی بات نہیں۔ ہم صرف ایسے شخص کو پسند کرتے ہیں جو اپنی پسند کو زبردستی اپنی بیوی کی پسند نہ بناتا ہو۔ مثلاً یہ کہ اگر آپ نمازی ہیں تو بے شک نمازی رہیں مگر ہماری بے بی کو جبراً نمازی بنانے کی کوشش نہ کریں۔ اسی طرح وہ آپ کو مجبور نہیں کرے گی کہ اس کے ساتھ کلبوں میں جا کر ڈانس کریں۔ ٹھیک ہے؟"

لڑکی نے ارمان صاحب کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے اپنے باپ سے کہا۔ "ڈیڈی! یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میں ان سے خود معاملات طے کروں گی۔ یو پلیز گو اینڈ مائنڈ یور بزنس......"

اس کا باپ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ "ہاں تو ابھی آپ نے اپنا نام ارمان بتایا تھا۔ اچھا نام ہے میرا نام روبی ہے۔ میں کیسی لگتی ہوں۔"

"آپ بہت اچھی ہیں۔ آپ کو تو اونچی سوسائٹی کے اچھے اچھے نوجوان مل جائیں گے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "وہ تو ملتے ہی ہیں۔ میرے بہت سے بوائے فرینڈز ہیں۔ مگر اس پاکستانی سوسائٹی میں ایک شوہر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ورنہ میں کبھی شادی کا تصور نہیں کرتی۔"

ارمان صاحب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "معاف کیجیے گا۔ میں آپ کو شریک حیات نہیں بنا سکتا۔"

"تو میں کب چاہتی ہوں کہ آپ شوہر بنیں۔ وہ تو صرف دنیا والوں کو دکھانے کے لیے ہم ایک نکاح نامہ تیار کر لیں گے۔ پھر جیسے میرے دوست ہیں۔ ویسے ہی آپ دوست بن کر رہیں گے؟"

"مگر کیوں؟ آپ ایسا کیوں کرنا چاہتی ہیں۔ یہ تو گناہ ہے۔"

www.pklibrary.net



"آپ کس زمانے کی باتیں کر رہے ہیں۔ مولانا؟ تہذیب یافتہ ممالک میں جا کر دیکھیں۔ عورت اب کسی ایک کی جاگیر بن کر ایک ہی گھر کے مقبرے میں ساری زندگی نہیں گزارتی ہے۔ جوانی ایک بہتی ہوئی ندی ہے اسے ہر پیاسے کے پاس سے گزرنا چاہیے۔"

ارمان صاحب فوراً ہی پلٹے اور تیزی سے بھاگتے ہوئے کوٹھی کے باہر آگئے۔ انہیں اپنے پیچھے روبی کی آواز سنائی دی۔ "نان سینس۔ پتہ نہیں یہاں کے لوگ نکاح کے بہانے عورت کو خرید لینا کیوں چاہتے ہیں۔ ایڈیٹ......"

ارمان صاحب کا دل ٹوٹ گیا۔ امیدوں نے دم توڑ دیا کہ ان کے نصیب میں دوسری بیوی نہیں ہے۔ لوگ تو چٹ منگنی پٹ بیاہ کر لیتے ہیں۔ ساٹھ برس کے بوڑھے بھی ذرا سی کوشش کے بعد جوان لڑکیوں سے شادی کر لیتے ہیں لیکن وہ کیسے کامیاب ہو جاتے ہیں؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی

بات یہی سمجھ میں آئی کہ شادی کے بوڑھے خواہش مند لڑکی والوں سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں اور جائز و ناجائز شرائط تسلیم کر لیتے ہیں۔ دوسروں کو اندرونی حالات کا علم نہیں ہوتا کہ یہ بوڑھے کس طرح جوان چھوکری کے لالچ میں اپنی پہلی بیوی بچوں کے حقوق اور اپنی دولت و جائداد سب کچھ گنوا بیٹھتے ہیں یا پھر کسی غریب لڑکی کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر اسے سستے داموں خرید لیتے ہیں۔

یہ ارمان صاحب کی بد قسمتی تھی کہ کوئی غریب لڑکی بھی نہ ملی۔ اور ملی بھی تو پسند نہیں آئی۔ وہ گھر پہنچ کر پیچ و تاب کھانے لگے۔ اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا کہ وہ دلشاد بیگم جیسی عورت اور روبی جیسی ماڈرن لڑکی کی طرح فراڈ نہیں کر سکتے تھے۔ ہوس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے گناہ نہیں کر سکتے تھے۔ شرافت سے مطالبہ کرتے تو لڑکیوں والے شرائط پیش کرتے تھے۔ ان کی بوڑھی جوانی کا اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھ رہا تھا۔

رات کے نو بجے وہ نماز سے فارغ ہوئے تو دروازے پر دستک سنائی دی۔ وہ جانماز سے اٹھ کر بیٹھک میں آئے۔ ان کا بڑا بیٹا کامران ایک برقع پوش خاتون کے ساتھ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا "ابا جان! یہ لڑکی آپ سے ملنا چاہتی ہے۔"

"آؤ بیٹھو۔" ارمان صاحب نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

www.pklibrary.net



اس نے بیٹھتے ہوئے اپنا نقاب الٹ دیا۔ وہ سانولی سلونی سی اچھے ناک نقشے والی لڑکی تھی۔ اس کے چہرے سے غربت اور آنکھوں سے ذہانت عیاں تھی۔ وہ آہستگی سے بولی۔

"مجھے مرزا صاحب نے آپ کا پتہ بتایا ہے۔"

"اوہ اچھا۔" ارمان صاحب کے ارمان مچل گئے۔ انہوں نے بیٹے سے کہا۔

"کامران! جاؤ اپنا کام کرو۔"

کامران انہیں ناگواری سے دیکھتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ مگر باہر دروازے کی آڑ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ اسی وقت اس کی والدہ عذرا بیگم بھی وہاں آ کر کھڑی ہو گئیں۔ انہیں اس لڑکی سے نفرت محسوس ہو رہی تھی جو اس گھر کی دوسری مالکہ بننے آئی تھی۔ وہ ارمان صاحب سے نفرت نہیں کر سکتی تھیں۔ کیونکہ وہ شوہر تھے' باپ تھے اور ان کے ان داتا تھے۔

ارمان صاحب نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارا نام؟"

وہ مترنم آواز میں بولی۔ "کنیز"

"تمہارے بزرگوں کو مجھ سے ملنا چاہیے تھا۔"

"میرا کوئی نہیں ہے۔ مرزا صاحب نے بتایا ہے کہ آپ دین دار اور خدا ترس انسان ہیں۔ مجھ جیسی مجبور اور بے سہارا لڑکی کو پناہ دے سکتے ہیں۔"

ایک طویل مدت کے بعد ایسی لڑکی ملی تھی جو مجبور اور بے سہارا تھی اور کسی طرح کا مطالبہ نہیں کر سکتی تھی۔ صرف کھانے اور کپڑے پر منکوحہ بن سکتی تھی۔ انہوں نے پوچھا۔

"کیا تمہارے والدین فوت ہو چکے ہیں؟"

"جی نہیں وہ حیات ہیں۔ اب سے پانچ برس پہلے جب میں تیرہ برس کی تھی تو میرے ابو نے میری امی کو طلاق دے کر دوسری شادی کر لی۔ میں اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی۔ اپنی امی کے ساتھ اورنگی کے علاقے میں رہنے لگی۔ وہاں ہمیں فاقوں اور دکھ بیماریوں نے گھیر لیا۔ امی نے ایک کوٹھی میں ملازمت کر لی۔ وہ صبح جاتی تھیں اور شام کو واپس آتی تھیں۔ دو برس تک ہم نے بڑی تنگی ترشی سے گزارا کیا۔ میں پندرہ برس کی ہوئی تو امی کو میری فکر لاحق ہو گئی کیونکہ میں اپنی عمر سے زیادہ جوان نظر آتی تھی اور وہ

www.pklibrary.net



مجھے صبح سے شام تک تنہا جھگی میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھیں۔ لہٰذا میرے رشتے کے لیے بھاگ دوڑ میں مصروف ہو گئیں۔

اتنا کہہ کر وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی پھر کہنے لگی۔ "دو ماہ تک میرے لیے لڑکا تلاش کرنے کی غرض سے وہ کوٹھی سے کبھی کبھی غیر حاضر ہو جاتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوٹھی والوں نے انہیں ملازمت سے جواب دے دیا۔ ملازمت کے جاتے ہی پریشانیاں اور بڑھ گئیں۔ ہم کئی کئی وقت کے فاقے کرنے لگے۔ مجھ سے امی کی پریشانیاں دیکھی نہیں جاتی تھیں۔ جی چاہتا تھا کہ مرجاؤں تاکہ امی کا بوجھ ہلکا ہو تو وہ آسانی سے تنہا زندہ رہ سکیں۔

آخر مسائل بڑھتے گئے تو امی نے ایک بوڑھے سے شادی کر لی۔ میرا سوتیلا باپ ایک مل میں سپروائزر ہے۔ اچھا کماتا ہے۔ ہم اچھا کھانے اور پہننے لگے۔ امی کے دکھ دور ہو گئے۔ وہ خوش رہنے لگیں۔ انہوں نے اپنے شوہر سے کہا کہ میری شادی کے لیے وہ بھی ملازمت کریں گی۔ زیادہ رقم ہوگی تو لڑکا آسانی سے مل جائے گا۔

میرا سوتیلا باپ جس مل میں کام کرتا تھا۔ وہاں عورتیں پیکنگ کا کام کرتی تھیں۔ اس لیے میری ماں کو آسانی سے ملازمت مل گئی۔ میرے باپ نے ایسی شفٹ ڈیوٹی مقرر کی تھی کہ امی کام پر جاتیں تو وہ گھر پر رہتا اور وہ کام پر جاتا تو امی گھر پر رہتی تھیں تاکہ میں تنہا نہ رہوں"

ہم سب اپنے گھر میں رہ کر باہر کے چوروں سے ڈرتے ہیں۔ یہ شاید ہی کبھی سوچتے ہیں کہ چور اپنے گھر میں بھی ہوتے ہیں۔ ایک بار امی شام کی شفٹ میں کام کرنے گئیں تو میرے سوتیلے باپ نے تنہائی میں میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میری تعریفیں کرنے لگا۔

میں نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ "آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ میں رشتے میں آپ کی بیٹی ہوں۔"

"تم اپنی ماں کی بیٹی ہو۔ میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ میں تمہیں دیکھ دیکھ کر ترستا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے میرا ہاتھ پکڑنا چاہا۔ میں دور چلی گئی۔ "خبردار! مجھے ہاتھ نہ لگانا' نہیں تو امی سے کہہ دوں گی۔"

www.pklibrary.net



"تمہاری ماں میرا کیا بگاڑ لے گی۔ میں اسے طلاق دے دوں گا۔ اپنی مل سے نکلوا دوں گا پھر وہی محتاجی اور فاقے ہوں گے۔"

میں غربت اور فاقوں سے گزر کر آئی تھی ان دکھوں سے واقف تھی۔ میں نے پریشان ہو کر کہا۔ "میری امی یہاں بہت خوش ہیں۔ آپ انسان بن کر سوچیں کہ آپ کی حرکتوں سے انہیں کتنی تکلیف پہنچے گی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر چارپائی پر بیٹھ گیا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "میں انسان بن کر ہی سوچتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ یہ گناہ ہے مگر کیا کروں۔ تمہیں دیکھتا ہوں تو بہکنے لگتا ہوں۔ میں نے بارہا تمہیں چور نظروں سے دیکھا ہے۔ جب تم چلتی پھرتی ہو اور یہاں چارپائی پر سوتی ہو تو تمہارا جسم مجھے پاگل بنا دیتا ہے۔ میں نے بہت برداشت کیا مگر آج مجبور ہو گیا ہوں۔"

میں اعتراف کرتی ہوں کہ میرا سوتیلا باپ ایک شریف آدمی ہے۔ مگر یہ عورت ہے جس کا وجود تنہائی میں بہکاتا ہے۔ حضرت آدمؑ کی پچھلی تمام عبادات اور شرافت کو مٹی میں ملا کر جنت سے نکال دیتا ہے۔ میں اپنی امی کے گھر کی جنت میں آگ نہیں لگا سکتی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ "آپ کے اندر انسانیت اور شرافت موجود ہے۔ میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ ابھی آپ یہاں سے چلے جائیں اور اپنی قوت ارادی سے نفس پر قابو پانے کی کوشش کریں۔ میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

وہ بے چارہ مایوسی سے سر جھکا کر چلا گیا مگر شیطان کبھی نہیں جاتا۔ میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ وہ مجھے اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے دیکھتا رہے گا اور بہکتا رہے گا۔ اس طرح کسی دن میری امی کی ازدواجی زندگی تباہ ہو جائے گی۔

میری امی کا ہنستا بولتا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا۔ انہوں نے میری خاطر ناقابل برداشت مصائب کا سامنا کیا تھا۔ زندگی کی کڑی دھوپ میں چلتے چلتے اور جلتے جلتے انہیں ایک شوہر کا سایہ ملا تھا۔ میں اپنی جان سے پیاری امی کی آنکھوں کو دوبارہ روتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے چپ چاپ ان کی زندگی سے نکل جانے کا فیصلہ کرتی رہی۔

وہ رات کے ایک بجے ڈیوٹی سے واپس آئیں میں نے ظاہر نہ ہونے دیا کہ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ میں نے سالن گرم کر کے انہیں کھانے کے لیے دیا۔ جب وہ

www.pklibrary.net



کھانے کے بعد سو گئیں تو میں صبح تک جاگتی رہی۔ صبح میرا سوتیلا باپ ڈیوٹی پر چلا گیا۔ امی تھکی ہاری سوتی رہیں۔ میں نے ایک چھوٹا سا رقعہ لکھا۔

"میری اچھی امی! میں نے اپنا جیون ساتھی ڈھونڈ لیا ہے اور اس کے ساتھ جا رہی ہوں۔ میرے فیصلے سے یقیناً آپ کو دکھ پہنچے گا لیکن میں نہیں چاہتی کہ میری شادی کے لیے آپ لوگ دن رات محنت کریں۔ شادی کے بعد میں ضرور آؤں گی۔ آپ مجھے تلاش نہ کریں۔ فقط آپ کی نافرمان بیٹی کنیز......"

میں نے وہ رقعہ امی کے سرہانے رکھا۔ پھر چادر لپیٹ کر اپنے ابا جان کے گھر کو رنگی چلی گئی۔ ابا جان ڈیوٹی پر گئے ہوئے تھے۔ میری سوتیلی ماں نے پہلی نظر میں مجھے نہیں پہچانا پھر حیرانی سے بولی۔ "اری کنیز! یہ تو ہے......دو برس میں ایسی جوان ہو گئی ہے کہ پہچانی نہیں جاتی۔"

"میں تجھے کہیں نہ جانے دوں گی۔ تو میری بیٹی ہے۔...... اب یہیں رہے گی......!"

"مگر امی مجھے یہاں ڈھونڈنے آئیں گی!"

"آنے دے، میں تجھے چھپا دوں گی۔ کہہ دوں گی کہ تو یہاں نہیں آئی۔"

میری سوتیلی ماں نے جو کہا، وہی کیا۔ میری امی مجھے ڈھونڈنے کے لیے آئیں تو مجھے باتھ روم میں چھپا دیا۔ میرا دل دکھ رہا تھا کہ وہ میرے لیے پریشان ہو رہی ہیں اور میں انہیں دھوکا دے رہی ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ اگر میں اسی طرح ان کی ہنستی کھیلتی ازدواجی زندگی کو سلامت رکھ سکتی ہوں تو مجھے اس دھوکے بازی پر قائم رہنا چاہیے۔

امی آنسو پونچھتی ہوئی واپس چلی گئیں۔ شام کو ابا جان نے مجھے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ دوسرے دن میری سوتیلی ماں کا بھائی حشمت آیا۔ مجھے اس کے حلیے سے پتہ چل گیا کہ وہ بدمعاش ہے۔ وہ بار بار مونچھوں پر تاؤ دے کر مجھے دیکھتا اور مسکراتا تھا۔ جب اس نے مجھ سے بے تکلفی سے باتیں کرنے کی کوشش کی تو میں کترانے لگی۔ میری سوتیلی ماں نے کہا۔ "ارے شرماتی کیوں ہے، میرا بھائی لاکھوں میں ایک ہے۔ سارا محلّہ اس سے ڈرتا ہے!"

www.pklibrary.net


مجھے بھی اس سے ڈر لگ رہا تھا۔ میں وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ پھر یہ روز کا معمول ہو گیا۔ وہ آتا تھا اور مجھے للچائی نظروں سے دیکھتا تھا۔ میں اس سے کترا کر دوسرے کمرے میں چلی جاتی تھی۔ ایک شام میں سخت بخار میں مبتلا ہو گئی۔ میری سوتیلی ماں نے دو گولیاں کھانے کے لیے دیں۔ میں انہیں کھا کر بستر پر لیٹ گئی اور فوراً ہی گہری نیند سو گئی۔

آنکھ اس وقت کھلی جب مجھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں نے نیند سے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ حشمت میرے بستر کے قریب تھا...... میں نے چیخ کر ابا جان کو پکارا۔ اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے اپنے طور پر جدوجہد کی لیکن کچھ بخار نے بے بس کر دیا تھا' کچھ نیند کی گولیوں کا خمار تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ اور یہ کیسی قیامت ٹوٹ پڑی ہے؟

جب قیامت گزر گئی تو ایک دم سناٹا چھا گیا وہ جا چکا تھا اور میں تنہا پڑی رو رہی تھی۔ میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ امی کی خوشی کے لیے گھر چھوڑوں گی تو ابا جان کے گھر میں یہ کبھی نہ مٹنے والا داغ لگ جائے گا۔

میں غصے میں بھری ابا جان کے کمرے میں گئی' وہ موجود نہیں تھے۔ یہ سب میری سوتیلی ماں کی سازش تھی۔ وہ ابا جان کو نائٹ شو میں لے گئی تھیں اور اپنے بھائی کے لیے راستہ صاف کر دیا تھا۔ میرے دماغ نے مجھے سمجھایا کہ جو کچھ ہو چکا ہے' اس کا حال ابا جان کو معلوم ہو گا تو وہ شرم سے مر جائیں گے۔ نہ مریں تب بھی میں ان سے آنکھ نہ ملا سکوں گی۔

مجھے خود اپنی شرم رکھنی پڑی۔ میں نے ابا جان سے کچھ نہیں کہا لیکن جب وہ دوسرے دن ڈیوٹی پر چلے گئے تو میں نے سوتیلی ماں سے جھگڑا کیا۔ وہ بولی۔ ''جو کچھ ہوا اس پر پردہ ہی پڑا رہنے دو۔ تم نے اچھا کیا کہ اپنے باپ سے کچھ نہ کہا۔ اگر تیرا باپ غیرت کے جوش میں حشمت کا گریبان پکڑ لیتا تو' تو نہیں جانتی ہے کہ میرا بھائی اب تک دو قتل کر چکا ہے۔''

یہ سن کر میں گھبرا گئی۔ اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ میں ابا جان کے سامنے زبان کھول کر انہیں قتل ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس روز شام کو پھر حشمت آیا۔ میں

www.pklibrary.net


نے اسے دیکھتے ہی اپنے کمرے کا دروازہ بند کرلیا۔ دروازے کے پیچھے سے میں اپنی سوتیلی ماں کی آواز سن رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "حشمت! وہ تم سے ڈر گئی ہے۔ ابھی تم جاؤ۔ میں اسے سمجھا بجھا کر راضی کرلوں گی۔"

وہ چلا گیا۔ میں نے یہ دستور بنالیا کہ ابا جان گھر میں رہتے تو میں کمرے سے نکلتی ورنہ دروازہ بند کرکے بیٹھ جاتی۔ دو دن بعد اطلاع ملی کہ حشمت ڈکیتی کے جرم میں جیل چلا گیا ہے۔ میں نے اطمینان کی سانس لی مگر یہ اطمینان بھی چند روزہ ثابت ہوا۔ اچانک ہی انکشاف ہوا کہ میرے پیر بھاری ہوگئے ہیں' مجھے متلی ہوئی اور ابکائی آئی تو میری ماں مجھے دیکھ دیکھ کر مسکراتی اور پوچھتی۔ "بول کس دن اور کس وقت یہ خوش خبری تیرے باپ کو سناؤں؟"

میں کبھی غصہ دکھاتی' کبھی رونے لگتی۔ اس نے کہا۔ "حشمت جیل چلا گیا تو کیا ہوا؟ جلد ہی چھوٹ کر آجائے گا۔ اگر تو اب بھی ہاں کہہ دے تو جیل میں بھی نکاح پڑھایا جاسکتا ہے۔"

"میں تمہارے بھائی پر تھوکتی ہوں۔ میں مرجاؤں گی پر اس سے شادی نہیں کروں گی۔"

"تو پھر مرجا۔ یہ لمبی لمبی سانسیں کیوں لے رہی ہے۔ اچھی طرح سن لے' اگر آج شام تک راضی نہ ہوئی تو میں آج رات تیرے باپ سے تیرا سارا کچا چٹھا بیان کردوں گی۔ میرا بھائی تو جیل میں ہے اس پر الزام نہیں آسکتا۔"

میں اس کی باتیں سن کر دیر تک روتی رہی۔ زندگی نے اتنی سی عمر میں یہ سکھا دیا تھا کہ رونے سے مسائل حل نہیں ہوتے مگر میں اتنی ذہین بھی نہیں ہوں کہ اپنے باپ کی عزت بحال رکھنے کی کوئی تدبیر سوچ لیتی۔ میرے دماغ میں یہ بات آرہی تھی کہ مجھے مرجانا چاہیے' ورنہ ابا جان کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

صبح سے میں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ دوپہر کو بھی سوتیلی ماں نے کھانے کے لیے نہیں پوچھا۔ شام کو میں نے محلے کے ایک چھوٹے سے بچے کو آٹھ آنے دے کر پکوڑے منگوائے۔ وہ بچہ اخبار کے ٹکڑے میں پکوڑے لے کر آیا تو میری نظر ایک اشتہار پر پڑی۔ اس اشتہار کو دیکھ کر مرزا صاحب یاد آگئے۔ اب سے ایک برس پہلے میری امی

www.pklibrary.net


رشتے کے لیے مجھے ان کے پاس لے گئی تھیں۔ انہوں نے محبت اور ہمدردی سے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ "میں اپنی بیٹی کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ تلاش کروں گا۔ اگر کبھی کوئی پریشانی ہو تو میرے پاس چلی آنا........!"

میں اسی وقت چادر لپیٹ کر گھر سے نکل گئی۔ ان کے ہاں پہنچی اور انہیں اپنی دکھ بھری داستان سنائی۔ صرف یہ نہ بتا سکی کہ میں ماں بننے والی ہوں۔ انہوں نے مجھے آپ کا پتہ بتایا اور یقین دلایا کہ آپ مجھے اپنے ہاں ضرور پناہ دیں گے۔ مرزا صاحب میرے ساتھ آجاتے مگر ان کا بچہ سخت بیمار ہے۔ اس لیے میں اکیلی آئی ہوں۔ راستے میں سوچتی رہی تھی کہ ماں بننے والی بات چھپاؤں گی لیکن میں جھوٹ نہیں بول سکتی' زبان سے سچ نکل ہی جاتا ہے۔"

کنیزا اپنی داستان سنا کر خاموش ہوگئی اور فیصلہ سننے کے لیے ارمان صاحب کا منہ تکنے لگی۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھے خاموشی سے پہلو بدل رہے تھے۔ کنیزا اچھی تھی' بچی تھی اور مصیبت زدہ بھی تھی۔ اسے سہارا دے کر وہ نیکی کما سکتے تھے۔ انہوں نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں دارالامان میں جانا چاہیے تھا۔ وہاں تمہاری جیسی بے سہارا لڑکیوں کو پناہ مل جاتی ہے۔"

وہ چند لمحوں تک خاموش رہی پھر سر جھکا کر بولی۔ "وہاں پناہ مل جائے گی۔ مگر میرے بچے کو ایک باپ کا نام نہیں ملے گا۔"

"وہ تو کبھی نہیں ملے گا۔ شاید حشمت جیسا بدمعاش بھی باپ کہلانا پسند نہ کرے۔"

"میں اپنے بچے کے ساتھ اس بدمعاش کا نام خود پسند نہیں کروں گی۔ آپ ایک شریف انسان ہیں' آپ مجھے اور بچے کو بدنامی سے بچا سکتے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ....... گناہ کوئی کرے اور نام میرا ہو۔ میں کوئی پاگل تو نہیں۔"

"میں گناہ گار نہیں ہوں' مجھے مجبور کیا گیا تھا۔ کسی کی مجبوری کو سمجھنا اور کسی کے عیبوں پر پردہ ڈالنا بڑی نیکی ہے۔"

"بے شک بڑی نیکی ہے۔" لیکن یہ سوچ کر ہی کراہیت سی محسوس ہوتی تھی کہ جسے وہ اپنی منکوحہ بنائیں گے۔ وہ کسی دوسرے کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ انہوں نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے میں یہ نیکی نہیں کر سکوں گا۔"

www.pklibrary.net


وہ تھکے ہوئے انداز میں اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ آپ سے مایوس ہونے کے بعد اب میرے لیے خودکشی کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ آپ جیسے شریف لوگ بڑے بڑے دعوے تو کرتے ہیں مگر مجھ جیسی لڑکی کو عزت سے زندگی گزارنے کا موقع نہیں دیتے۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے تک گئی۔ پھر وہاں سے پلٹ کر دیکھا کہ شاید ارمان صاحب پگھل جائیں اور اسے اپنی عزت بنانے کے لیے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیں۔ مگر وہ منہ پھیر کر بیٹھے رہے' وہ باہر چلی گئی۔

منہ پھیر کر نیکی کا رخ بھی پھیر دیا جاتا ہے انہوں نے خود کو تسلی دی کہ یہ نیکی نہیں' برائی ہوگی کیونکہ حاملہ عورت سے نکاح جائز نہیں ہوتا۔ اس کا بچہ حرامی ہی کہلائے گا۔ ایسے بچے کا باپ بننا کہاں کی دانش مندی ہے؟

وہ بیٹھک سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنے کمرے میں آئے۔ انہیں یوں لگ رہا تھا۔ جیسے رشتہ تلاش کرتے کرتے ایک بار پھر بوڑھے ہو چلے ہوں اور اب ان سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ انہوں نے کمرے میں پہنچ کر عذرا کو آواز دی۔ ان کی بیٹی نے بتایا کہ امی بھائی جان کے ساتھ کہیں گئی ہیں۔ تھوڑی دیر میں آجائیں گی۔

عذرا بیگم پہلی بار ان سے اجازت حاصل کیے بغیر کہیں گئی تھیں۔ انہیں بے حد غصہ آیا۔ بچے تو پہلے ہی نافرمانی کا مظاہرہ کرتے چلے آرہے تھے' اب بیگم نے بھی نافرمانی شروع کر دی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کا کہہ گئی تھیں مگر رات کے ایک بجے واپس آئیں۔ انہوں نے گرج کر پوچھا۔ "کہاں گئی تھیں؟"

وہ برقع اتارتے ہوئے بولیں۔ "شازیہ اور کامران کی شادی کی تاریخ مقرر کرنے گئی تھی۔ آپ اپنی شادی کے جنون میں یہ بھول بیٹھے ہیں کہ شازیہ پچیس برس کی ہو گئی ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ داماد آنے سے پہلے اپنی شادی کر لیں۔ ورنہ بیٹی کی شادی اگر پہلے ہو گئی تو اس کے سسرال والے آپ کی شادی پر مذاق اڑائیں گے۔"

بیگم درست کہہ رہی تھیں۔ ارمان صاحب پہلے اپنی شادی کرنے کے لیے بیٹی اور بیٹے کی شادیوں کی تاریخیں ٹالتے جا رہے تھے۔ بیگم نے کہا۔ "میں آپ کی خاطر خود کو تباہ کر سکتی ہوں لیکن بچوں کی خوشیاں نہیں چھین سکتی۔ کل شام کو کامران کا نکاح پڑھایا

www.pklibrary.net



جائے گا اور پرسوں شازیہ دلہن بنے گی!"

"بکواس مت کرو۔" وہ اتنی زور سے چیخے کہ کھانسی آنے لگی۔

بیگم نے کہا۔ "اب تک میری ہر جائز بات بکواس ہی سمجھی جاتی رہی لیکن اب میں اپنی ہونے والی بہو اور ہونے والے داماد کے ہاں تاریخ مقرر کر آئی ہوں۔ اگر آپ شادی میں شریک نہیں ہوں گے' تو بعد میں بیٹی کے سسرال والوں کے سامنے خود ہی جواب دہ ہوں گے۔"

"میں شریک نہیں ہوں گا۔ دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔ میں نافرمان بیوی اور نافرمان اولاد سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا......"

عذرا بیگم کمرے سے چلی گئیں۔ ارمان صاحب نے سمجھا تھا کہ شاید ان کا غصہ دیکھ کر بیوی اور بچے معافی مانگیں گے اور شادی کی تاریخ بدل دیں گے لیکن اب حالات بدل گئے تھے۔ رعایا کی طرح رہنے والے گھر کے تمام افراد باغی ہو گئے تھے۔ ارمان صاحب غصے میں چیختے اور بڑبڑاتے رہے۔ گھر چھوڑ کر جانے کی دھمکی دیتے رہے لیکن کوئی ان کے سامنے جھکنے نہیں آیا۔

دوسری صبح وہ مرزا صاحب کے پاس جا کر بولے۔ "آپ نے ایسی لڑکی کو میرے ہاں کیوں بھیجا تھا جو ایک ناجائز بچے کی ماں بننے والی تھی؟"

مرزا صاحب نے حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے معذرت چاہی کہ وہ حقیقت سے واقف نہیں تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔ "ایک دوشیزہ کا رشتہ ہے جو بغیر کسی شرط کے شادی کے لیے تیار ہے۔"

"میں دوڑتے دوڑتے تھک گیا ہوں۔ غضب خدا کا یہ تیسرا سال ہے اور آج تک مجھے کہیں سے رشتہ نہیں ملا۔ دوسروں کو دیکھتے کہ آئے دن کسی نہ کسی کی شادی ہوتی ہی رہتی ہے۔"

"یہ تو نصیب کی بات ہے۔ ارمان صاحب! ہو سکتا ہے کہ یہی دوشیزہ آپ کے نصیب میں ہو۔ آپ چاہیں تو میں فون پر ملاقات کا وقت مقرر کر لوں۔"

"ٹھیک ہے' اب میں آخری بار رشتے کے لیے جاؤں گا اگر ناکامی ہوئی تو...... تو......!"

www.pklibrary.net



تو وہ کیا کریں گے' خود ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔ جوانی کے عذاب سے کیسے پیچھا چھڑائیں گے؟ اپنی خواہشات کو کہاں لے جا کر دفن کریں گے؟ جوانی تو جلانے کے لیے آتی ہے۔ ہاں...... ٹھیک ہے...... اس کے بعد وہ خدا سے گڑگڑا کر دعا مانگیں گے کہ "بار جوانی عذاب ہے یا رب! چھین لے مجھ سے خواہشیں میری۔"

شام کے سات بجے ملاقات کا وقت مقرر ہوا۔ اگرچہ وہ وقت بیٹے کے نکاح کے لیے مقرر ہو چکا تھا لیکن وہ بھی پرانے رشتوں سے بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے گھر کا رخ نہیں کیا اور دکان پر بھی نہیں گئے۔ مبادا کوئی بلانے آجائے۔ کسی طرح وقت گزار کر وہ اس دوشیزہ کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ وہاں یہ دیکھ کر ہی ارمان صاحب کا ماتھا ٹھنکا کہ وہ اپنے مکان میں اکیلی تھی۔ انہوں نے پوچھا۔ "کیا آپ کے بزرگ نہیں ہیں؟"

"نہیں!" اس نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ حسین اور پرکشش تھی اس لیے ارمان صاحب بیٹھ گئے۔ انہوں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ "آپ کا کوئی تو ہوگا؟"

"میں اپنے متعلق سب کچھ بتا دوں گی لیکن میری ایک شرط ہے کہ میں شادی کے بعد بھی اسی گھر میں رہوں گی۔ یہ آپ کا بھی گھر ہوگا۔ آپ جب چاہیں آ سکتے ہیں۔ مرزا صاحب نے بتایا ہے کہ آپ کے بیوی بچے ہیں۔ اس طرح آپ دوسری بیوی کی رہائش کے مسئلے سے نجات پائیں گے۔"

"مجھے منظور ہے۔ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھاتا ہوں کہ آپ کا راز میرے سینے میں دفن رہے گا۔"

وہ اپنے سر پر آنچل رکھ کر بولی۔ "میں ایک بہت ہی اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہوں جس کے متعلق آپ کو شادی کے بعد معلوم ہو جائے گا۔ آصف میرے چچا زاد بھائی ہیں۔ ہم دونوں بچپن ہی سے ایک دوسرے کو پسند کرتے آئے ہیں۔ ساتھ کھانا' ساتھ کھیلنا اور ساتھ پڑھنے جانا ہمارا معمول تھا۔ جب جوان ہوئے تو ہماری پسند محبت یا عشق میں بدل گئی۔ عشق بھی ایسا کہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر چین اور سکون سے نہیں رہ سکتا۔ جب میرے ماموں نے ہماری شادی پر اعتراض کیا تو میں صدمے سے بیمار پڑ گئی اور آصف خودکشی کے لیے آمادہ ہو گئے۔ ماموں کو ہماری ضد کے آگے جھکنا پڑا اور ہماری شادی ہو گئی۔"

www.pklibrary.net



"وہ یہیں رہتے ہیں۔ فی الحال اپنے والدین سے ملنے گئے ہوئے ہیں۔"

"جی...... " ارمان صاحب نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ "یعنی کہ آپ دونوں یہاں ساتھ رہتے ہیں...... یعنی یہ کہ علیحدگی نہیں ہوئی۔"

"میں نے کہا ناکہ ہم ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر زندہ نہیں رہ سکتے۔"

"مم...... مگر آپ تو شادی شدہ ہوئیں۔ مرزا صاحب فرمارہے تھے کہ دوشیزہ کا رشتہ ہے۔"

"انہوں نے درست کہا تھا۔ کیونکہ وہ میری شادی کے بارے میں نہیں جانتے' لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ میں شادی کے بعد بھی کنواری دوشیزہ ہوں۔"

"ایں؟" وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگے۔ وہ دوشیزہ شرم کے مارے آنچل سے منہ چھپا رہی تھی۔ انہوں نے پوچھا۔ "میں کیسے یقین کروں کہ آپ شادی کے بعد بھی کنواری ہیں؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "میں سچ بول رہی ہوں۔ آپ کی مرضی ہے جھوٹ سمجھیں۔ آصف شوہر بننے کے قابل نہیں تھے۔ وہ خودکشی کرنا چاہتے تھے۔ میں ان کے قدموں سے لپٹ گئی۔ میں نے قسم کھائی کہ ان کی مردانگی کا بھرم رکھوں گی' اور میں اس قسم پر پانچ برس سے قائم ہوں۔"

"لیکن آج آپ نے میرے سامنے یہ قسم کیوں توڑ دی؟"

"مجبوری' یہ خود آصف نے بھی مجھے مجبور کیا ہے۔ میں ماں بننا چاہتی ہوں۔ پانچ سال سے لاولد ہونے کے باعث آصف شدید احساس کمتری میں مبتلا ہیں۔ ہر کوئی پوچھتا ہے کہ تم اب تک باپ کیوں نہیں بنے تو انہیں اپنا راز فاش ہوتا نظر آتا ہے۔ میں یہ کہہ کر سہارا دیتی ہوں کہ میں بانجھ ہوں۔ آصف کے والدین سچ مچ بانجھ سمجھ کر اپنے بیٹے کی دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح خود ان کے والدین کے انجانے پن سے راز کھلنے والا ہے۔ ہم نے اس مسئلے پر غور کیا۔ آخر آصف نے کہا کہ میں دوسری شادی کرلوں۔"

"یعنی تو آصف صاحب آپ کو طلاق دے دیں گے؟"

"جی ہاں...... مگر ہم ایک دوسرے سے جدا ہو کر نہیں رہ سکتے۔ آپ چاہیں تو ہماری مشکل آسان ہو سکتی ہے۔"

www.pklibrary.net



"کیسے؟"

"آصف مجھے چپ چاپ طلاق دیں گے۔ ہمارے خاندان والوں کے علم میں یہ بات نہیں آئے گی۔ دنیا والوں کی نظروں میں ہم میاں بیوی رہیں گے۔ اگر آپ چاہیں تو طلاق کے بعد مجھ سے نکاح پڑھوالیں۔ یہ نکاح راز میں رہے گا۔ ہم جائز میاں بیوی ہوں گے لیکن دنیا والوں کو یہ باور کرائیں گے کہ آپ آصف کے دوست ہیں اور صبح و شام ان سے ملنے آیا کرتے ہیں۔"

"لل...... لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ میری شریک حیات بننے کے بعد بھی آصف صاحب کی شریک حیات کہلائیں گی۔ پھر میرا نام کہاں جائے گا۔"

"دیکھیے آپ کی شریک حیات موجود ہیں۔ ماشاء اللہ بچے بھی ہیں۔ آپ کو شوہر اور باپ کی حیثیت حاصل ہے۔ کیا آپ ذرا سا سمجھوتہ کر کے میرے آصف کو میرے شوہر اور میرے بچوں کے باپ کی حیثیت نہیں دے سکیں گے؟"

"یعنی...... یعنی کہ جو بچے پیدا ہوں گے' وہ بھی میرے نہیں کہلائیں گے؟"

"اللہ کے فضل سے آپ کے پہلے ہی بچے ہیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ "آخر اس ڈرامے بازی کی کیا ضرورت ہے؟ جو شخص شوہر نہیں بن سکتا' آپ اس کے لیے اتنی پریشانیاں کیوں مول لے رہی ہیں۔"

"میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ ہم دونوں بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھ ایسا دلی لگاؤ رکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کو کسی قیمت پر چھوڑ کر الگ نہیں ہو سکتے۔ میں آصف کی عزت رکھنے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دوں گی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی محبت' آپ کی عقیدت' آپ کا دلی لگاؤ تو صرف آصف کے لیے ہو گا۔ میری حیثیت کچھ نہ ہو گی۔ معاف کیجیے گا' شادی اس سے کی جاتی ہے' جو صرف شوہر سے محبت کرے اور شوہر کی نسل کو ہمارے نام سے دنیا والوں کے سامنے پیش کرے۔"

ارمان صاحب جانے لگے' وہ راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "آپ کی بیوی ہے' بچے ہیں' آپ کا نام بہت ہو چکا ہے۔ میں آپ سے آصف کی عزت اور زندگی کی بھیک مانگ رہی ہوں۔ خدا کی قسم! آپ نے مایوس کیا تو ہم دونوں مر جائیں گے۔"

www.pklibrary.net



"میں گناہ گار نہیں بن سکتا۔ دنیا والوں کو دھوکہ دے کر بناسپتی شوہر نہیں بن سکتا۔ مجھے افسوس ہے......"

وہ کترا کر نکل گئے۔ تیزی سے چلتے ہوئے اس مکان سے باہر آ گئے۔ انسان کو صرف اپنا ہی دکھ بھاری لگتا ہے۔ اس بیاہتا دوشیزہ پر کیا گزری ہوگی...... ارمان صاحب کو اس کا احساس نہیں تھا۔ وہ اپنی ناکامی پر جھنجلا رہے تھے۔ انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ایک مدت سے حرامی رشتوں کی دنیا میں سانس لیتے آ رہے ہوں۔ اور انہیں کبھی صاف ستھرا رشتہ نہیں ملے گا۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ہر شخص اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے تو خود اپنے کردار کی خامیاں گن سکتا ہے۔ مگر اپنے گریبان میں جھانکتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ ارمان صاحب خود کہاں صاف ستھرے تھے؟ بیوی کے حقوق چھین رہے تھے۔ بچوں کی جوانی سے زیادہ اپنی جوانی کا بخار اتارنے میں مصروف تھے۔ گناہ اور جھوٹ سے پرہیز کرتے تھے مگر دولت مند بننے کے لیے غیر قانونی کاروبار کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اپنی دنیا' اپنے ماحول کو صاف ستھرا کیے بغیر انہیں کوئی صاف ستھری بیوی مل جائے گی"

تھک ہار کر وہ اپنے گھر لوٹ آئے۔ گھر کے دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا۔ تب انہیں یاد آیا کہ عذرا بیگم اپنے بیٹے کامران کے لیے دلہن بیاہ کر لانے گئی ہیں۔ انہوں نے اپنی جیب سے چابی نکال کر تالا کھولا۔ پڑوس کے ایک بوڑھے نے اپنی کھڑکی میں سے جھانک کر پوچھا۔ "ارے ارمان صاحب! اتنی جلدی بہو لے کر آ گئے؟"

انہیں ندامت کا احساس ہوا۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ بیٹا سہرا باندھ کر کہاں گیا ہے۔ انہوں نے جلدی سے کہا۔ "جی نہیں بہو کی رخصتی کی رسمیں ابھی ہو رہی ہیں۔ میرے پیٹ میں سخت تکلیف ہو رہی تھی اس لیے میں پہلے چلا آیا۔"

بوڑھے پڑوسی نے کہا۔ "ہاں صاحب! بڑھاپے میں ایک نہ ایک بیماری رہتی ہی ہے۔"

انہوں نے جلدی سے اندر آ کر دروازہ بند کر لیا۔ جیسے پڑوسی نے بڑھاپے کا پتھر کھینچ کر مارا ہو۔ بعض اوقات کسی کی بات ذہن میں چپک کر رہ جاتی ہے۔ وہ آئینے کے سامنے آ کر اپنے چہرے کو ٹٹولنے لگے۔ اپنے آپ کو اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگے۔ کہیں بڑھاپا چپکے چپکے واپس تو نہیں آ رہا ہے؟

www.pklibrary.net



واپس تو نہیں آرہا تھا مگر آجانا چاہیے تھا۔ ایسی جوانی کس کام کی جس پر زلفوں کی ولی نہ بچھا جائے۔ کسی کی مدھ بھری آنکھوں کے پیانے سے نشہ نہ چھلکے اور رات کا نٹوں پر بسر نہ جائے۔ اچانک ان کے جی میں آیا کہ رونا شروع کر دیں۔ وہ گھر کے رہے تھے نہ گھاٹ کے۔ اپنے جوان بیٹے کی شادی میں بھی شریک نہ ہو سکے تھے۔ اب خاندان کے لوگوں نے پوچھا تو وہ اپنی غیر حاضری کا کیا جواز پیش کریں گے؟ پتہ نہیں عذرا بیگم نے کیا بہانہ بنایا ہو گا۔ اتنا تو یقین تھا کہ وہ انہیں بدنام نہیں کریں گی۔

وہ ندامت سے بیٹھ گئے جیسے دھنس گئے ہوں۔ انہیں عذرا بیگم کی وفاداری اور خدمت گزاری کا ایک ایک لمحہ یاد آنے لگا۔ اپنی بیوی پھر اپنی ہی ہوتی ہے۔ وہ دلشاد بیگم کی طرح سودے بازی نہیں کرتی، روبی کی طرح کسی ایک شوہر کا لیبل حاصل کر کے بوائے فرینڈ نہیں بناتی، کسی جوان دوشیزہ کی طرح اپنے نام مکان اور جائداد نہیں لکھواتی اپنے گھر کی چار دیواری میں بیٹھ کر عذرا بیگم کی عینک لگا کر دیکھنے سے پتہ چلا کہ گھر سے باہر بازار عورتوں کی بہت بڑی منڈی ہے اور وہ منڈی کی عورت گھر میں نہ لا سکیں گے۔

یوں سوچتے سوچتے کتنا وقت گزر گیا۔ پھر باہر گاڑیوں کا شور سنائی دیا۔ مرد عورتوں کے قہقہے رات کے سناٹے میں گونج رہے تھے۔ عذرا بیگم بھی ہنستی بولتی سنائی دے رہی تھیں۔ پھر گھر کا دروازہ کھلا، وہ سب اندر آگئے۔ ان کے ہنسنے بولنے سے پتہ چل رہا تھا کہ ایک طویل انتظار کے بعد گھر میں بہو آگئی ہے۔

ارمان صاحب اپنے کمرے میں انتظار کرتے رہے کہ اب بیوی بچے ان کے پاس آئیں گے اور اپنی خوشیوں میں شریک کریں گے مگر بیس منٹ تک کوئی ادھر نہ آیا۔ وہ انتظار کرتے ہوئے پھر زیر لب بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھے۔ "ٹھیک ہے، بیگم اور بچوں کا انتظار نہ رہا کہ میں ان کی خوشیوں میں شریک ہو سکتا ہوں کیونکہ میں اب تک ان کی خوشیاں چھینتا رہا ہوں، مجھے ہی آگے بڑھنا ہو گا۔"

وہ اپنے بیٹے کامران کے کمرے کے سامنے پہنچے....... وہاں رشتے داروں کا ہجوم تھا۔ انہیں دیکھ کر سب ایک طرف ہٹنے لگے۔ کمرے کے اندر دلہن سیج پر گھونگٹ نکالے بیٹھی تھی۔ آہ! تقدیر کا لکھا پورا ہوتا ہے۔ پہلے بیٹے کی دلہن آنا تھی سو آگئی۔

عذرا بیگم کی درخواست پر تمام رشتے دار کمرے سے باہر چلے گئے۔ صرف کامران رہ گیا۔ عذرا بیگم نے دروازے کو بند کرتے ہوئے ارمان صاحب سے کہا۔ "میں نے سوچا

www.pklibrary.net



تھا کہ تمام رشتے داروں کے رخصت ہونے کے بعد آپ کو بہو دکھاؤں گی تاکہ آپ تنہائی میں غصہ دکھا سکیں"

انہوں نے کہا۔ "میں ناراض نہیں ہوں مگر شادی کی ایسی جلدی بھی کیا تھی؟ اچانک تم نے لڑکی دیکھ لی اور لڑکی والوں نے کچھ معلومات حاصل کیے بغیر اتنی جلدی نکاح بھی پڑھا دیا اور رخصتی بھی کر دی۔ آخر یہ سب کیا ہے؟ میں ناراض نہیں ہوں مگر پوچھنے کا حق رکھتا ہوں۔"

عذرا بیگم نے ایک ہزار روپے ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "بہو کے سامنے بحث کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔ آپ منہ دکھائی کی رسم ادا کریں۔"

ارمان صاحب پس وپیش میں آگے بڑھے۔ ایک ہزار روپے بہو کے سانولے سلونے ہاتھ پر رکھے۔ پھر انہوں نے آہستگی سے گھونگٹ اٹھایا تو ان کے ذہن کو زبردست جھٹکا لگا۔ گھونگٹ کے سائے میں کنیز آنکھیں بند کیے نظر آئی۔

انہوں نے بوکھلا کر کامران کو دیکھا' پھر غصے سے مٹھیاں بھینچ کر عذرا بیگم کی طرف پلٹ گئے۔ وہ بڑے ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولیں۔ "کلام پاک کی ایک آیت ہے کہ لوگو! قیامت کے دن تمہیں تمہاری ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا۔ میرا ایمان ہے کہ میری بہو کا بچہ بھی میری بہو کے نام سے پکارا جائے گا۔ ہمارے گندے معاشرے کا کوئی شخص اسے بدنام نہیں کر سکے گا۔"

ارمان صاحب پلٹ کر جانے لگے۔ عذرا بیگم کی آواز آتی رہی۔ "آپ تین برس سے دلہن تلاش کر رہے ہیں۔ میرے بیٹے کی دلہن جیسی تچی اور کھری ہے' ویسی آپ کبھی نہ پا سکیں گے۔"

وہ ایسے نادم ہوئے کہ کہیں جا کر مرنا چاہتے تھے مگر عذرا بیگم پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ بڑبڑاتی ہوئی ان کے کمرے میں آئیں۔ کل رات جب کنیز آپ کے پاس آئی تو مجھے یوں لگا تھا جیسے وہ شازیہ ہے' میری بیٹی ہے۔ جو اس کے ساتھ ہوا وہ آپ جیسے باپ کی لاپروائیوں سے خدانخواستہ ہماری بیٹی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ پھر کامران نے بھی ضد کی کہ وہ کنیز کو سہارا دے گا۔ میں نے کہا تمہارے ابا مخالفت کریں گے۔ اس نے جواب دیا۔ "میں کنیز کو اپنا کر کہیں چلا جاؤں گا۔ ابا خود ہی اس گھر میں آگ لگاتا

www.pklibrary.net



چاہتے ہیں تو ہم کیوں یہاں رہیں۔ میں ہر حال میں ایک مجبور اور بے گناہ لڑکی کو اپنی عزت بناؤں گا۔"

میں بیٹے کی ضد دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ آپ تو میرے ہاتھ سے نکل ہی رہے تھے' بیٹا بھی ساتھ چھوڑ دیتا تو میں ادھر کی رہتی' نہ ادھر کی۔ اب آپ بتائیں کہ میں کیا کرتی۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ کنیز مجھے بھی پسند ہے۔ میں نے اس کی عزت رکھ لی ہے' خدا ہماری بھی عزت رکھے گا۔"

ایسے وقت ہی خدا یاد آتا ہے۔ ارمان صاحب کو یاد آیا کہ انہوں نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی ہے وہ باتھ روم میں وضو کرنے چلے گئے۔ عذرا کی بڑبڑاہٹ کمرے میں سنائی دے رہی تھی اور وہ اندر ہی اندر ٹوٹ رہے تھے۔

صرف تکمیل ہوس کی قوتوں کا نام جوانی ہے۔ ہر وقت مثبت فیصلہ کرنے والی ذہانت اور حوصلے کا نام جوانی ہے۔ کامران کے پاس جوانی کا حوصلہ تھا۔ اس نے پالیا۔ ارمان صاحب کی بوڑھی جوانی میں سب کچھ تھا' مگر وہ حوصلے کی کمی سے ہار گئے۔

اچانک ان کی آنکھیں رونے لگیں۔ وضو کرتے وقت منہ دھو رہے تھے۔ اس لیے آنسو اور پانی گڈمڈ ہو گئے۔ جب وہ کمرے سے باہر آئے تو بیگم نے کہا۔ "تولیے سے منہ تو پونچھ لیں۔"

مگر وہ جانماز بچھا کر کھڑے ہو گئے۔ نماز شروع کر دی مگر یہ خیال حاوی تھا کہ بیگم سر پر سوار ہیں اور انہیں آزادی سے رونے کا موقع نہیں مل رہا ہے۔ یہی تو ایک جگہ ہوتی ہے۔ وہی تو ایک معبود ہوتا ہے جس کے حضور دل کے آنسو دعا بن جاتے ہیں۔ وہ پہلی رکعات کے سجدے میں جاتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

آہ! بڑے بڑے انکشافات ہوتے ہیں۔ اسی لمحے انکشاف ہوا کہ سجدہ ایک ایسا مقام ہے جہاں ندامت کے آنسو دنیا والوں سے چھپائے جاتے ہیں۔

○☆○